ISA IBN-I-MARYAM

JESUS SON OF MARY

علامہ سلطان محمد پال

Rev.Maulavi Sultan Muhammad Khan Paul

1927

WWW.NOOR-UL-HUDA.NET

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ

(سورہ نساء ۱۷۱)

Isa-Ibn-Mariam

By

The Late Rev Mulana

Sultan Muhammad Paul Kabli Afghan

عِیسیٰ ابنِ مریم

من تصنیف

زبدۃ المتکلمین سلطان المناظرین

پادری مولوی سلطان محمد خان پال صاحب کابلی افغان (مُلّا)

July 1927

Rev Mulawai Sultan Muhammad Paul

1881-1963

دیباچہ ناشر

ہندوستان کی مشہور اسلامی ریاست بھوپال کے دار اسلطنت سے مولانا نیازؔ صاحب کی زیر ادارت **"نگار"** نامی ایک ماہوار رسالہ کئی سالوں سے نہایت آب وتاب سے شائع ہو رہا ہے۔ ملک کے ممتاز جرایدادبی میں اس کو نمایاں خصوصیت حاصل ہے۔ مدیر رسالہ ہذانہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کے عالم اور تجربہ کار صحیفہ نگار ہی ہیں بلکہ نئی روشنی نے آپ کے دل ودماغ پر یہاں تک اثر کیا ہے کہ آپ کی شابہ روز مساعی (کوشش) کا رُخ اس طرف ہے کہ اسلام کے ہر کھلے مسئلے کی کوئی نہ کوئی توجیہ وتاویل نکالیں اور گذشتہ تیرہ (۱۳) صدیوں کی صورتِ اسلام کو مسخ کر کے نئے زمانہ کے موافق رنگ دینے میں کمال کرد کھائیں۔ اس فن میں آپ نے جو ممتاز خصوصیت حاصل کی وہ یہ ہے کہ آپ سر سید احمدؔ خاں صاحب کی نیچریت (فطرت) اور تقدس مآب مولوی محمد علی صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کی احمدیت کو باہم مخلوط کر کے اسلام کی ایسی صورت وشکل بنا رہے ہیں کہ عصرِ حاضرہ کی تنقید اعلیٰ کے حملوں سے بزعم (گمان کے ساتھ) خود اسے مصئون ومامون (محفوظ نگہبانی کیا گیا) کر دیں۔ مگر اصلی اسلام کے پیروؤں کو آپ سے بے حد اختلاف ہے جیسا کہ اس کتاب کی تمہیدِ مصنف سے ظاہر ہے۔

گذشتہ سال **"نگار"** میں آپ نے عیسیٰ ابنِ مریم کی ولادتِ بے پدر (بغیر باپ کے) معجزات اور رفعِ آسمانی اور مریم بتولہ (کنواری) کے روح القدس سے حاملہ ہونے کا انکار کیا اور ایک طویل وبسیط (وسیع) عالمانہ مضمون لکھ کر اپنے انکار یعنی **"نیچری اور احمدی اسلام"** کو حق ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ جب اس مضمون کو ہمارے محترم دوست جناب پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے نے مطالعہ کیا تو فی الفور مجھے لکھا کہ اس کا جواب مسیحیوں کی طرف سے ضرور دینا چاہیے۔ چونکہ مولانا نیازؔ صاحب نے ان تمام تاویلات توجیہات کو جو سر سید احمدؔ خاں صاحب اور مولوی محمد علیؔ صاحب کی ایجادات خاص ہیں۔ ایک جگہ نہایت خوبی اور قابلیت سے مرتب کیا۔ اس لئے بلاریب (بے شک) آپ کے خیالات موجودہ زمانہ کے اعلیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ اہلِ اسلام کے معتقدات (اعتقاد رکھنے والے) کا آئینہ کہے جا سکتے ہیں۔ پس لازم آیا کہ ایسے اعلیٰ پایہ کے علمی اعتراضات کی تردید کے لئے ہندوستان بھر کا بہترین مسیحی فاضل جو اسلامیات سے اعلیٰ وجہ الکمال واقف ہو تلاش کیا جائے۔ ہر چہار اطراف نظر دوڑانے کے بعد میری نظر انتخاب پادری مولوی سلطانؔ محمد خاں صاحب افغان کابلی (ملا) پر پڑی۔ آپ کی ذہنی قابلیت، علمی لیاقت اور ادبی فضیلت ہندوستان بھر میں مشہور ومسلم ہو چکی ہے۔ آپ ملک بھر کے زبردست ترین علماء فضلائے اسلام سے اکثر مباحثے کر چکے ہیں اور ہر جگہ آپ کو خدائے عزیز الحکیم نے ایسی فتح وظفر عطا فرمائی کہ آج تمام مذہبی طبقوں میں آپ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

جب اس صدی میں علم وفضل کو بے انداز ترقی حاصل ہوئی تو خدائے غیور نے پادری سلطانؔ محمد خاں صاحب کو اپنی خاص قوت عطا کر کے اس ملک میں مبعوث کیا (بھیجا گیا) وہ تعلیمافتہ مسلمانوں کو دینِ حق کی طرف رہنمائی کریں۔ آپ نے نہ صرف تقریری مناظروں ہی میں مسیحی دین کی عظمت کا علم بلند کیا بلکہ متعدد تصانیف کی بدولت ہزاروں لاکھوں بندگان خدا کو روحانی فائدہ پہنچایا ہے۔ اب آپ نے یہ کتاب تصنیف

فرما کران مسلمانوں کے دلوں کو خداوند کبیر کی حقیقی منشا کی جانب رجوع کرانے کا قابلِ تحسین و آفرین کام کیا ہے۔ جو آج کل کے اعلیٰ علوم و فنون سے بہرہ اندوز چکے ہیں۔

اگر برادرانِ اسلام پادری صاحب ممدوح الصدر کی دیگر تصانیف کا جو اپنے مناظرانہ رنگ میں یکتا اور ہندوستان بھر میں مشہور و معروف ہیں۔ مطالعہ کریں تو ان کے شکوک و شبہات جو وہ مسیحیت و مسیح کی نسبت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں یقیناً دور ہو جائیں گے۔ آپ کی تصانیف میں خاص خوبی یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے آپ اس قدر استدلال (دلیل دینا) فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے نام کے ساتھ "پادری" کا لفظ چسپاں نہ کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان عالم نے ہی کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ آپ مسیحی ہونے سے پیشتر اسلامی تعلیم کے مطالعہ میں زندگی کا ایک حصہ غالب گزار چکے تھے۔ بمبئی میں ضیاء الاسلام کی آپ ہی نے بنیاد ڈالی تھی جو آج تک جاری ہے۔ فارسی آپ کی مادری زبان ہے۔ عربی کے یکتا عالم ہیں۔ قرآن شریف، احادیث، سیرت، منطق، فلسفہ میں مہارت تامہ (تمام) حاصل ہے۔ اور جب ہم ان بے انداز خوبیوں کی جانب گہری نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن فوراً اس قادرِ مطلق خدا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو ہر صدی میں اس قسم کی ممتاز ہستیاں اپنے نام کو جلال دینے کی خاطر برپا کرتا ہے۔ مسیحیت کے معجزات میں سے بلاشبہ یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ کابلی افغان ہونے کے باوجود سلیس اور بامحاورہ اردو میں ایسی روانی سے کلام کر سکتے ہیں کہ اہلِ دہلی و لکھنؤ پر سبقت لے گئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی آپ نے چند ہی ایام میں مرتب کر کے بھیج دیا۔ ہاں مولانا مولوی محمد علی صاحب کے **"نکات القرآن"** کے حوالجات اور حصہ اول کے آخر میں **"خارج از اسلام"** خاکسار کے مرتب کردہ ہیں۔ خدا اپنے نام کی خاطر اہلِ ہند کو توفیق بخشے کہ وہ تعصب سے خالی الذہن ہو کر راہِ حق کی پیروی کریں۔

(خان)

فہرستِ مضامین

مضمون
دیباچہ
فہرستِ مضامین
حصہ اول ولادتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
تمہید
لفظ "آل" پر بحث
یہودیوں میں سلسلہِ نسب
قرآن شریف سے مریم صدیقہ کے یہودی ہونے کا ثبوت
مریم کو بنت عمران اور اُختِ ہارون کہنے کی رمز
انجیلوں میں باہم اختلاف
مسئلہ ولادت مسیح وآیاتِ انجیل وقرآن
دیانت دار نقال
مدیر صاحب نگار کی انجیل فہمی
قرآن مجید سے ولادتِ مسیح پر بحث
قرآن مجید میں مسیح کی ولادت بغیر باپ کے بالوضاحت موجود ہے
لفظ کلمہ اور مدیر صاحب نگار کی عربی دانی
مدیر صاحب نگار کی عربی دانی کا مزید ثبوت
نیازؔ صاحب کا اپنے منہ سے اقرار کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے ولمہ لمیسنی بشر پر بحث
مسیح کی ولادتِ بے پدر کے پانچ ثبوت

پہلا ثبوت لفظ "کذالک"

دوسرا ثبوت "لفظ حین"

تیسرا ثبوت "کنت نسیاً منسیاً"

چوتھا ثبوت "وجعلناھا وابنہا آیۃ للعلمین"

پہلی غلطی

دوسری غلطی

پانچواں ثبوت "وبراً بوالدتی"

حرف "ف" ولف "کان" پر بحث اور حضرت نیاز کے متضاد اقوال

اسلام اور ولادت مسیح کا مسئلہ

دائرہِ اسلام سے خارج

دوسرا حصہ

وارفعک الی

بحث مافوق کا نتیجہ

حضرت عیسیٰ بجسد عنصری آسمان پر زندہ ہیں

نکتہ

رازی پر تہمت

بحثِ مافوق کا نتیجہ

انجیل جلیل و حضرت عیسیٰ کی موت ورفع

یسوع کا پکڑا جانا

یہودیوں کی صدر عدالت میں یسوع (عیسیٰ) کے مقدمے کی پیشی

پنطس پیلاطس کی کچہری میں جنابِ مسیح کے مقدمے کی پیشی

رومی سپاہیوں کا جنابِ مسیح کو ٹھٹھے میں اڑانا

جنابِ مسیح کا صلیب دیا جانا اور لعن طعن اٹھانا

جنابِ مسیح کا مرنا

جنابِ مسیح کا دفن ہونا
جنابِ مسیح کا جی اٹھ کر شاگردوں کو دکھائی دینا
جنابِ مسیح کا آسمان پر جانا
انجیل کے صلیبی واقعات و قرآن
حضرت روح اللہ کی تکالیف
چند جلیل القدر مسلمان بھی ہم سے متفق ہیں
وما قتلوہ وما صلبوہ کی مسیحیا تفسیر
علمائے اہل سنت والجماعت سے خطاب
جماعت احمدیہ اور اُن کے ہم خیالوں سے خطاب
حصہ سوم انی قد جئتکم بایۃ من ربکم
مسیح کے معجزات اور حضرتِ نیازؔ کے اعتراضات
بحثِ مافوق کا ملخص
آیت مافوق کی تفسیر مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے
لفظ "خلق" پر بحث

حصہ اوّل

وِلادتِ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

تمہید

حضرت نیاز کی بے نیازی

جولائی ۱۹۲۶ء کے رسالہ **"نگار"** میں اور اس کے بعد اگست ۱۹۲۶ء کے نگارانہ ملاحظات میں حضرتِ نیازؔ نے ان تمام معتقدات سے اپنی بے نیازی کا اظہار کیا ہے جو حضرتِ خضر اور علی الخصوص حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کے متعلق اسلام میں جزولاینفک (وہ حصہ جو علیحدہ نہ ہو سکے) سمجھے جاتے ہیں۔ **"نگار"** کی اس بے باکانہ حرکت کو دیکھ کر "جناب محمد اکبر خاں صاحب" نے حضرت نیازؔ کی خدمت میں ذیل کا مکتوب ارسال کیا:

> **"جولائی کے مہینے میں آپ وجودِ خضر سے تو انکار ہی کر چکے تھے۔ لیکن اگست کے ملاحظات میں کسی عیسائی جے ۔مارٹن سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے حضرت عیسیٰ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ مرادیں چنیں کنندُ۔ان کا بن باپ پیدا ہونا، اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو جلانا۔ مصلوب ہونے کے بعد آسمان پر چلا جانا، اور اب تک زندہ رہنا یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کے آپ منکر معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن کلامِ مجید میں صریح آیات ان کے متعلق پائی جاتی ہیں ان کی کیا تاویل ہو سکتی ہے؟ میں بہت مشتاق ہوں کہ ان کی بابت بھی آپ کے خیالات کا علم حاصل کروں۔ میں ان آیات کو اس جگہ درج نہیں کرتا۔ کیونکہ یقیناً وہ آپ کے سامنے ہوں گی اور آپ اپنی عادت کے موافق ان کا استقصا (پوری کوشش کرنا) کر کے بحث فرمائیں گے"۔**

یزداں یادزداں

آپ مکتوب مافوق کا جواب ستمبر ۱۹۲۶ء کے **"نگار"** میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے وجود خضر سے انکار تو نہیں کیا۔ لیکن یہ ضرور بیان کیا ہے کہ ان کے متعلق جو روایات عوام میں مشہور ہیں وہ قابل وثوق نہیں ہیں اور جن احادیث سے استدلال کیا (دلیل دینا) جاتا ہے وہ ساقط الاعتبار ہیں۔ اب آپ حضرت عیسیٰ کے متعلق مجھ پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ میں نے ان پر بھی اگست کے ملاحظات میں ہاتھ صاف کر دیا۔ سو بندہ نواز! یہ صفائی میرے ہاتھ کی نہیں ہے بلکہ خود اس قوتِ برتر واعلیٰ کی ہے جس نے انہیں سولی سے بچالیا۔ اور یہ معاملہ "مرداں چنیں کنند" سے متعلق ہے بلکہ "یزداں چنیں کنند" سے وابستہ ہے۔

اگر حضرت نیازؔ کی خاطر نازک پر گراں نہ گذرے تو میں عرض کروں گا کہ "یہ ہاتھ کی صفائی "اس ذات برتر واعلیٰ کی نہیں ہے جس نے انہیں مردوں میں جلایا۔ بلکہ سر سیدؔ مرحوم کی ہے جس کو جناب نے سارقانہ انداز سے دوبارہ نقل کیا ہے۔ پس یہ معاملہ "یزداں چنیں کنند" سے وابستہ نہیں ہے۔ "بلکہ دزداں[1] چنیں کنند سے وابستہ ہے۔

انجیل کی روایات اور تواریخ

اس کے بعد آپ تاریخ کامل ابن اثیرؔ اور ابن خلدوؔن کے چند دُم بریدہ (دُم کٹا ہوا) اقتباسات حوالہ قلم کر کے فرماتے ہیں کہ :

"چونکہ تاریخ کی کتابوں اور انجیل کی روائیتوں میں باہم اس قدر اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے متعلق کسی واقعہ کی صحیح تحقیق ان کی مدد سے نہیں ہو سکتی۔ اور خود رسول اللہ کے زمانہ میں مسیح کے متعلق عجیب و غریب اعتقاد لوگوں میں رائج تھے۔ یہاں تک کہ بعض ان کو خدا کا بیٹا اور بعض ناجائز مولود (پیدا ہونے والا) کہتے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ ہم کو قرآن پاک پر غور کرنے سے حقیقت کا علم ہو سکتا ہے جس میں تمام لغو (بیہودہ) اعتقاداتِ رائجہ کے خلاف صحیح واقعات کی خبر دی گئی ہے"۔

قبلہ !کاش آپ "قرآن پاک" پر غور کرتے ! لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ قرآنِ پاک کا نام لے کر آپ نے سر سیدؔ مرحوم کی کاسہ لیس (خوشامدی) کو کافی سمجھا۔ آپ کے دو ایک عربی جملوں کو دیکھ کر مجھ کو تو یہاں تک شبہ ہوتا ہے کہ شاید آپ اس کی عبارت بھی روانی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ چاہیے یہ کہ آپ اس کے مطالب پر غور کریں۔ قرآن مجید پر غور نہ کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آپ "تاریخ کی کتابوں اور انجیل کی روائیتوں میں "اس قدر اختلاف معلوم ہوتا ہے کہ "حضرت عیسیٰ کی زندگی کے متعلق کسی واقعہ کی صحیح تحقیق نہیں کر سکتے۔

میں نے آپ کے تاریخی اقتباسات کا ایک سے زیادہ بار اعادہ کیا۔ مجھ کو تو ایک بات بھی ایسی معلوم نہیں ہوئی جو "انجیل کی روائیتوں" کے بر خلاف ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اصطلاحات کے نہ سمجھنے کی وجہ سے آپ نے اجمال اور تفصیل کو غلطی سے اختلاف سمجھ لیا ہے یعنی جن امور کو انجیل مقدس نے اجمالاً بیان کیا ہے۔ انہی امور کو ابن اثیرؔ اور ابن خلدوؔن رحمتہ اللہ علیہا نے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ واقعہ ولادت مسیح کے متعلق جن باتوں کا بیان ابن اثیرؔ اور ابن خلدوؔن نے کیا ہے ان میں سے ایک کا بھی بیان اناجیل میں نہیں ہے بلکہ ان میں سے بہت سے واقعات کا ذکر قران پاک میں ہے۔ پس اگر کچھ اختلاف ہے تو قرآن پاک کی روائیتوں اور تاریخ کی کتابوں میں ہے نہ کہ انجیل کی روائیتوں اور تاریخ کی کتابوں میں۔

---

[1] قارئین کرام ذرا تکلیف اٹھا کر سر سیدؔ مرحوم کی تفسیر سورہ آل عمران اور سورہ مائدہ کو **"نگار"** کے اس مضمون سے مقابلہ کر دیکھیں اور حضرت نیازؔ کی سارقانہ ادا کی داد دیں۔ (سلطان)

البتہ انجیل کی روائیتوں اور تاریخ کی کتابوں" میں اس وقت اختلاف ہوتا جب آپ کسی تاریخ کی کتاب سے یہ ثابت کر سکتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کی پیدائش باپ کی وساطت سے ہوئی تھی۔ لیکن ہم تحدّی (للکارنا) کے ساتھ گذارش کرتے ہیں کہ آپ ہر گز یہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تمام مورخین اسلام نے بالاتفاق اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بلاوالد ہوئی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کا نسب نامہ

آپ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت عیسیٰ کا ذکر یوں تو کلام مجید میں کثرت سے پایا جاتا ہے لیکن امور زیر بحث پر غور کرنے کے لئے ہم کو سورہ آل عمران، سورہ مائدہ، اور سورہ مریم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ سورہ مریم میں صرف ان کی پیدائش کے واقعات درج ہیں اور سورہ مائدہ میں صرف ان کے معجزات کا ذکر ہے (جن میں اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کرنا مردوں کو جلانا وغیرہ شامل ہے) اور سورہ آل عمران میں پیدائش سے لے کر آخر تک تمام واقعات کا بیان ہے اس لئے ہم سب سے پہلے سورہ آل عمران اور سورہ مریم کی ان آیات کو درج کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا حال درج ہے"۔

(سورہ آل عمران ۴۵ تا ۴۷)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

ترجمہ:۔ ''جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھ کو اپنی طرف سے ایک کلمہ کی اس کی بابت جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا ہوگا۔ جو دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔ خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔

لوگوں سے کلام کرے گا گہوارہ (گود) میں اور بڑھاپے میں اور ہوگا نیکوں میں سے۔

مریم نے کہا اے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے دراں حالیکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا۔ خدا نے کہا یہی ہوگا اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا۔ اور وہ کام ہو جاتا ہے''۔

(سورہ مریم آیت ۱۶ تا ۳۶)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۡ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۡ لِاَهَبَ

لکِ غُلٰمًا زَکِیًّا قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَکُ بَغِیًّا قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ
ہَیِّنٌ وَّ لِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَۃً مِّنَّا وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا فَحَمَلَتْہُ فَانْتَبَذَتْ بِہٖ مَکَانًا قَصِیًّا فَاَجَآءَہَا
الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ہٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا فَنَادٰىہَا مِنْ تَحْتِہَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ
قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا وَ ہُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَۃِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا فَکُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ
عَیْنًا فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا فَاَتَتْ بِہٖ قَوْمَہَا
تَحْمِلُہٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا یٰٓاُخْتَ ہٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْکِ امْرَ اَ سَوْءٍ وَّ مَا کَانَتْ اُمُّکِ بَغِیًّا
فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَہْدِ صَبِیًّا قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّ
جَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَّ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَّ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا
شَقِیًّا وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ
فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَہٗ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ وَ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ
وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

ترجمہ:۔ ''اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جب وہ علیحدہ ہوئی اپنے لوگوں سے ایک مشرقی مکان میں۔

پھر کر لیا اس نے ان کی طرف سے پردہ پس بھیجا ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو جو بن گئی اس کے سامنے ایک پورا آدمی۔

مریم نے کہا میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگر چہ تو پرہیز گار ہو۔

اس نے کہا میں تو تیرے پروردگار کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہوں کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا دوں گا۔

مریم نے کہا میرے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے درآنحالیکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا اور نہ میں نے کبھی بدکاری کی۔

فرشتہ نے کہا ایسا ہی ہو گا تیرے رب نے کہا کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور ہم بنائیں گے۔ اس کو نشانی لوگوں کے لئے اور رحمت اپنی طرف سے اور یہ امر ٹھہرایا ہوا ہے۔

پھر حمل ٹھہرا مریم کو اور وہ دور چلی گئی۔

پھر درد زہ اس کو ایک کھجور کی جڑ میں لے گیا۔ مریم نے کہا کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور مٹ جاتی۔

پھر اس کو پکارا کسی نے نیچے سے کہ رنجیدہ نہ ہو۔ جاری کیا ہے تیرے پروردگار نے نیچے ایک چشمہ۔

تو کھجور کو ہلا وہ تجھ پر تر و تازہ پھل گرائیگا۔

تو اسے کھا اور پی اور ٹھنڈی کر اپنی آنکھ، اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ میں نے اللہ کے نام پر روزہ رکھا ہے اور میں آج کسی سے بات نہ کروں گی۔

پھر مریم اپنے لڑکے کو قوم کے پاس لائی۔ انہوں نے کہا اے مریم تو عجیب چیز لائی ہے۔

اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ خراب آدمی تھا۔ اور نہ تیری ماں خراب تھی۔

پھر اشارہ کیا مریم نے لڑکے کی طرف۔ لوگوں نے کہا ہم کیا بات کریں اس سے جو تھا ایک لڑکا گہوارہ میں۔

عیسیٰ نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں۔ دی ہے اس نے مجھے کتاب اور بنایا ہے مجھے نبی۔

اور مجھ کو کیا ہے برکت والا جہاں کہیں میں ہوں اور مجھ کو ہدایت کی ہے نماز و روزہ کی جب تک میں زندہ رہوں۔

اور بنایا ہے مجھ کو نیکی کرنے والا اپنی ماں کے ساتھ اور نہیں بنایا مجھے سرکش بدبخت۔

اور سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا جس دن میں مرونگا اور جس دن میں زندہ ہو کر اُٹھوں گا۔

یہ ہے سچا واقعہ عیسیٰ بن مریم کا جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔

خدا کے لئے موزوں نہیں ہے کہ اس کے کوئی بیٹا ہو۔ وہ اس سے پاک ہے وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

اور بے شک خُدا ہی میرا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے"۔

قبل اس کے کہ ہم کلام مجید کی مذکورہ بالا آیتوں پر غور کریں۔ یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ کے نسب کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ (سورہ انعام) میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ آل ابراہیم سے ہوں گے۔

(سورہ انعام آیات ۸۳ تا ۸۵)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

ترجمہ:۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اُنکی قوم کے مقابلہ میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے۔

اور ہم نے اُنکو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام بخشے (اور) سب کو ہدایت دی۔ اور پہلے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھی۔ یہ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو بھی۔ یہ سب نیکوکار تھے"۔

"اب اگر حضرتِ عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جائے اور صرف مادری سلسلہ نسب پر لحاظ کیا جائے تو دیکھنا چاہیے کہ مریم آلِ ابراہیم یا آلِ داؤد سے تھیں یا نہیں؟ کلام مجید میں ایک جگہ مریم کو بنتِ عمران (عمران کی بیٹی) کہہ کر پکارا گیا ہے اور دوسری جگہ اُختِ ہارون (ہارون کی بہن) کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ گویا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مریم کے باپ کا نام عمران تھا اور ہارون ان کے بھائی تھے۔ اس پر عیسائی علماء نے اعتراض بھی کیا ہے کہ ہارون کے زمانہ سے مریم کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ اس رمز کو نہیں سمجھے کہ مریم کو ہارون کی بہن کہنا کسی حقیقی رشتہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ صرف اس مماثلت کی بنا پر ہے کہ جس طرح ہارون حفاظت و خدمت ہیکل کے لئے مامور تھے اسی طرح مریم کی بھی زندگی شروع ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ موسیٰ کی بہن کا نام بھی مریم تھا لیکن اس جگہ مریم کو اُخت ہارون کہنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن میں عیسیٰ کی ماں مریم اور موسیٰ کی بہن مریم کو ایک ہی ہستی قرار دیا ہے درست نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اُخت ہارون کے الفاظ سے مریم کے سلسلہِ نسب پر تو کچھ روشنی نہیں پڑ سکتی۔ اب رہ گیا ان کو عمران کی بیٹی کہنا سو یقیناً یہ بھی اسی لحاظ سے کہا گیا ہے جس طرح اُخت ہارون کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ کلام مجید میں "آل۔ اُخت، ابن یا بنت" وغیرہ کا استعمال بہت وسیع معنی میں ہوا ہے۔ اور ان الفاظ سے وہ قریب کا رشتہ مراد نہیں لیا گیا ہے جو ان کے معنی سے متبادر ہوتا ہے۔ اس لئے مریم کو بنتِ عمران کہنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ واقعی عمران کی بیٹی تھیں بلکہ اس سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ آل عمران میں سے تھیں جن کی بزرگی کے متعلق کلام مجید میں یہ آیت آئی ہے۔

(سورۃ آل عمران)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ:۔ "خُدا نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہاں کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا"۔

مریم کے والد کون تھا؟ یہ امر بالکل تاریکی میں ہے۔ اور اسی لئے عیسیٰ کا سلسلہ نسب داؤد تک متعین نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مریمؑ کی ولادت بھی بغیر باپ کے تسلیم کر لی جائے تو جیسا کہ بعض عیسائی جماعتوں کا خیال ہے کہ تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ مریمؑ کے نانا کون تھے؟ اور ان کا سلسلہ نسب آلِ داؤدؑ سے ملتا ہے یا نہیں۔ اور اگر مریمؑ کے باپ کا نام واقعی عمرانؑ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کے نسب نامے کے متعلق اس قدر اختلاف ہے کہ خود عیسائیوں کو اکثر جگہ تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس سلسلہ

سے آلِ داؤد میں شمار ہو سکتا ہے۔ بعض نے اسے ماتان کی اولاد میں شامل کیا ہے۔ ابن اسحاق اسے یا ہشیم بن امون کی اولاد بتاتا ہے۔ ابنِ عساکر نے زریا فیل کے سلسلہ سے آلِ ماتان ہونا ثابت کیا ہے اور اناجیل میں باہم سخت اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ بعض جگہ مریم کا بھی بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ اور بعض بیانات سے بجائے عمران کے مریم کے باپ کا نام یواقیم درج ہے۔ بہر حال مریم کے والد حال چونکہ بالکل تاریکی میں ہے اس لئے اس پر اعتماد کر کے حضرت عیسیٰ کو مادری سلسلہ سے آلِ ابراہیم میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ قرآن پاک سے صراحتہً ان کا دریافت ابراہیم یا آلِ داؤد میں ہونا ثابت ہے۔ البتہ اگر مریم کے نسبتی شوہر یوسف نجار کو عیسیٰ کا باپ تسلیم کر لیا جائے تو آسانی سے حضرت عیسیٰ کا آلِ داؤد میں ہونا ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یوسف یقیناً آلِ ماتان میں سے تھا اور ماتان کا سلسلہ نسب داؤد تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ متی کی انجیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام یوسف تھا اور وہ بیٹے تھے یعقوب کے۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ نہ تھے اور واقعی بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو پھر انجیل و قرآن کی یہ صراحت کہ وہ آلِ داؤد میں سے ہوں گے بالکل لغو ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اول تو مریم کا سلسلہ نسب داؤد تک پہنچتا نہیں اور اگر وہ پہنچے بھی تو ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ یہود میں ہمیشہ سلسلہ نسب باپ کا قابلِ لحاظ تسلیم کیا جاتا تھا اور مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ یہاں تک تو گفتگو سلسلہ نسب کے لحاظ سے ہوئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جائے تو نصِ (ظاہر) قطعی اس کی معارضہ (جھگڑا) واقع ہوتی ہے"۔

آپ نے عبارت مافوق میں امور ذیل پر نگارانہ نگاہ ڈالی ہے۔

(الف)۔ ''اگر حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جائے تو پھر انجیل[2] و قرآن کی یہ صراحت کہ وہ آلِ داؤد میں سے ہوں گے بالکل لغو ہو جاتی ہے''۔

(ب)۔ ''مریم کو بنتِ عمران اور اُختِ ہارون کہنے کی رمز''۔

(ج)۔ ''انجیلوں میں باہم سخت اختلاف ہے یہاں تک کہ بعض جگہ مریم کا بھی بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر کیا ہے''۔

شق اوّل کے متعلق یہ عرض ہے کہ "انجیل میں یہ صراحت کہ وہ آلِ داؤد میں سے ہوں گے"۔ اس وقت "لغو" ہو جاتی ہے جب انجیل میں یہ صراحت بھی ہوتی کہ وہ دیگر انسانوں کی طرح نطفہ سے پیدا ہوں گے۔ حالانکہ صحفِ مطہرہ میں بالوضاحت اس کا ذکر ہے کہ مسیح

[2] غالباً آپ کا مطلب عہد عتیق سے ہے۔ (سلطان)

موعودِ آلِ داؤد میں سے بغیر باپ کے محض بطن مادر سے ہوں گے۔ چونکہ ان تمام پیشینگوئیوں کا یہاں درج کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم صرف ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔

"خداوند نے سچائی سے داؤد کے لئے قسم کھائی جس سے وہ نہ پھرے گا کہ میں تیرے پیٹ کے پھل میں سے کسی کو تیرے لئے تیرے تخت پر بٹھاؤں گا" (زبور ۱۳۲: ۱۱)۔ اس پیشینگوئی سے وہ باتیں ثابت ہوتی ہیں **اوّل** یہ کہ مریم صدیقہ داؤد کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ مریم ہی کے بطن سے حضرت مسیح علیہ اسلام پیدا ہوئے۔ **دوئم** یہ کہ مسیح علیہ اسلام عورت سے پیدا ہوں گے اس لئے داؤد علیہ اسلام کو خُدا نے کہا "تیرے پیٹ کے پھل" سے "اگر مسیح کی پیدائش باپ کی وساطت سے ہونے کو ہوتی تو "تیری پیٹھ "یعنی صلب سے کہنا لازم تھا۔

پس ظاہر ہے کہ انجیلِ مقدس میں ہر گز یہ صراحت نہیں ہے کہ مسیح کی پیدائش داؤد کے نطفہ سے ہو گی۔ اور نہ قرآن مجید میں یہ صراحت موجود ہے جس کو آگے ہم تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ بلکہ دونوں پاک کتابوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام خُدا کی قدرت سے معجزانہ طور پر صرف مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ نیز خود حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے داؤد علیہ اسلام کے مادی انتساب سے بدیں الفاظ انکار فرمایا ہے کہ "پس جب داؤد اس کو خداوند کہتا ہے تو وہ اس کا بیٹا کیوں کر ٹھہرا" (متی ۲۲: ۴۱تا۴۵)۔ گویا کہ حضرت عیسیٰ نے ایک لطیف بلکہ لطف پیرایہ میں اس اشتباہ (شک) کو رفع فرمایا کہ مسیح محض اور محض ابنِ داؤد ہوں گے۔ یہ نہ صرف انجیل ہی کی صراحت ہے بلکہ قرآن مجید نے بھی اس صراحت کا اعادہ کیا ہے۔

لفظ آل پر بحث

لفظ "آل" سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ مسیح ابراہیم یا داؤد کے نطفہ منتقلہ تھے سراسر غلط اور بنائے فاسد علی الفاسد ہے جس آیت سے آپ نے یہ استدلال کیا ہے خود اسی آیت میں اس کی تردید موجود ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ آیت متدلہ میں حضرت ایوب علیہ اسلام اور حضرت الیاس علیہ اسلام کو بھی آلِ ابراہیم اور داؤد کہا ہے جو حقیقتاً اُن کی ذریت میں شامل نہیں ہیں اور نہ ان کے نطفہ منتقلہ ہیں۔ نیز آپ خود ہی فرمارہے ہیں کہ "کلام مجید میں آل، اُخت، ابن، یا بنت وغیرہ کا استعمال نہایت وسیع معنی میں ہوا ہے"۔ اگر یہ درست ہے تو پھر اس وسعت کو تنگ بنانا کہاں کا انصاف ہے؟

یہودیوں میں سلسلہ نسب

آپ کا یہ فرمانا کہ "یہود میں ہمیشہ سلسلہ نسب باپ کا قابل لحاظ تسلیم کیا جاتا تھا اور مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ پوچھتا تھا" سراسر غلط اور سرسید مرحوم و مولوی ممتاز علی مرحوم کی کورانہ تقلید (پیروی) ہے۔ کاشکہ خود بدولت ہی تکلیف اٹھا کر الکتاب کا مطالعہ فرماتے اس وقت معلوم ہو جاتا کہ سرسید مرحوم نے آپ کو کس طرح مغالطہ میں ڈال دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ "اس صورت مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ پوچھتا تھا"۔ مگر جب ایک یہودی عورت ایک غیر یہودی مرد کے ساتھ عقد کرتی۔ لیکن یہ کہنا کہ اگر وہ دونوں یہودی بھی ہوتے تب بھی "مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ

پوچھتا تھا"۔اور وہ ہمیشہ ایسا کرتے تھے بالکل لغو اور پوچ ہے۔کیونکہ بائبل مقدس میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں عورتوں کے نام نسب ناموں میں مندرج ہیں۔جن میں سے دو ایک مقام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱۔)اور ان کی بہنیں ضرویاہ اور ابی جیل تھیں۔اور ابی شے اور یواب اور عساہیل یہ تینوں ضُرویاہ کے بیٹے ہیں۔اور ابی جیل سے عماسا پیدا اور عماسا کا باپ یترا اسماعیلی تھا(۱۔تواریخ ۲:۱۶تا۱۷)۔

(۲۔)"تقوع کے باپ اشور کی دو جوروا ں تھیں حیلاہ اور نعراہ اور نعراہ اس کے لئے اخوسام اور حضراور تیمنی اور ہختستری جنی۔یہ بنی نعراہ ہیں۔اور بنی حیلاہ ضرت اور یضوا اور اِتنان(۱۔تواریخ ۴:۵تا۷)۔

بفرض محال اگر مدیر صاحب **"نگار"** کا "ہمیشہ" صحیح اور درست بھی ہوتا اس وقت بھی محض اس لئے کہ مریم صدیقہ عورت تھیں اور یہودیت یا آل ابراہیمی سے خارج نہیں ہو سکتی تھیں تاوقت یہ کہ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ وہ یہودی نہیں بلکہ ایک اجنبی عورت تھیں کیونکہ عورت کے نام کا نسب نامہ نہ ہونا اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ یہودی یا ابراہیمی نسل کی نہیں ہے۔تاوقت یہ کہ ایک علیحدہ دلیل اس پر قائم نہ کی جائے۔

قرآن شریف سے مریم صدیقہ کے یہودی ہونے کا ثبوت

یہاں تک تو ہم نے اس سے بحث کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام آل ابراہیم یا آل داؤد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ماں کی جانب سے آل ابراہیم یا آل داؤد ہوں گے۔اور صحف مطہرہ کے شواہد سے ہم نے یہ ثابت کیا کہ سلسلہ مادری یہودی نقطہ نگاہ میں ایک امر مستند ہے۔اب اگر ہم قرآن شریف سے بھی یہ ثابت کر سکیں کہ مریم صدیقہ ابراہیمی نسل میں سے تھیں تو پھر مدیر صاحب نگار کا یہ اعتراض کہ "اگر عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جائے تو نصِ قطعی اس کی معارض واقع ہوتی ہے" بے وقعت اور باطل ٹھہرے گا"۔اور "نصِ قطعی "اس کی معارض نہیں بلکہ معاضد و موید واقع ہو گی۔

اگرچہ قرآن مجید مریم صدیقہ کا کوئی طول وطویل نسب نامہ پیش تو نہیں کرتا لیکن چند ایسے واقعات بیان کرتا ہے جن سے لاریب یہ ثابت ہوتا ہے کہ مریم صدیقہ خالص ابراہیمی نسب یہودی حسب تھیں۔مثلاً یہ کہ

(۱۔)ان کی ماں کا ان کو ہیکل کی خدمت کے لئے نذر کرنا(آل عمران رکوع ۴)

(۲۔)حضرت زکریاہ کا ان کا کفیل ہو جانا (آل عمران رکوع ۴)

(۳۔)مریم کا مسیح کو اپنی قوم(یہودیوں) کے پاس لانا۔ (سورہ مریم رکوع ۲)

(۴۔)مریم کا اُخت ہارون کہلانا وغیرہ ذالک۔ (سورہ مریم رکوع ۲)

یہ ایسے واقعات ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مریم صدیقہ ابراہیمی نسب تھیں۔کیونکہ غیر کا ہیکل کی خدمت کرنا تو درکنار اس کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا تھا(اعمال ۲۱:۲۷تا۲۸)۔اور حضرت زکریا کا مریم صدیقہ کو اپنی کفالت میں لے لینا مریم کے یہودی ہونے کی ایک ایسی زبردست دلیل ہے جس سے کوئی "شخص تاوقت یہ کہ پراگندہ وخیال نہ ہو انکار نہیں کر سکتا۔کیونکہ حضرت زکریاہ مریم کے خالو تھے۔یعنی

حضرت مریم کی ماں اور حضرت الیشبع جو حضرت زکریاہ کی بیوی تھیں دونوں بہنیں تھیں (ابن خلدون[3]) اور حضرت الیشبع یہوداکے فرقہ میں سے تھیں۔ لٰہذا مریم کی ماں بھی یہوداکے فرقہ میں سے اور ابراہیمی نسل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریاہ نے مریم صدیقہ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہودیوں کو مریم کی قوم کہنا اور مریم کا اُخت ہارون کہلانا مزید ثبوت ہے اس بات کا کہ مریم صدیقہ فی الحقیقت یہودی حسب تھیں۔

مریم کو بنتِ عمران اور اُختِ ہارون کہنے کی رمز

شق ثانی میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "کلام مجید میں ایک جگہ مریم کو بنتِ عمران (عمران کی بیٹی) کہہ کر پکارا گیا ہے اور دوسری جگہ اُخت ہارون (ہارون کی بہن) کے لقب سے یاد گیا ہے۔ گویا اس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مریم کے باپ کا نام عمران تھا اور ہارون ان کے بھائی تھے۔ اس پر عیسائی علماء نے اعتراض بھی کیا ہے کہ ہارون کے زمانہ سے مریم کو کیا نسبت ہو سکتی ہے لیکن وہ اس رمز کو نہیں سمجھے کہ مریم کو ہارون کی بہن کہنا کسی حقیقی رشتہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ صرف اس مماثلت کی بنا پر ہے جس طرح ہارون حفاظت وخدمت ہیکل کے لئے مامور تھے۔ اسی طرح مریم کی بھی زندگی شروع ہوئی۔۔۔۔ اب رہ گیا ان کو عمران کی بیٹی کہنا سو یقیناً یہ بھی اسی لحاظ سے کہا گیا ہے جس طرح اُخت ہارون کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ کلام مجید میں "آل، اُخت، ابن یا بنت" وغیرہ کا استعمال بہت وسیع معنی میں ہوا ہے اور ان الفاظ سے وہ قریب رشتہ مراد نہیں کیا گیا ہے جو ان کے معنی سے متبادر ہوتا ہے اس لئے مریم کو بنت عمران کہنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ واقعی عمران کی بیٹی تھیں۔"

محترمی! عیسائی "اس رمز کو" سمجھے یا "نہیں سمجھے" یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن حیرت تو یہ ہے خود بدولت نے اس رمز کو نہیں سمجھا اور قطعاً نہیں سمجھا۔ آپ کا یہ فرمانا کہ "مریم کو ہارون کی بہن کہنا کسی حقیقی رشتہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ صرف اس مماثلت کی بنا پر ہے کہ جس طرح ہارون حفاظت وخدمت ہیکل کے لئے مامور تھے اسی طرح مریم کی بھی زندگی شروع ہوئی' غلط بلکہ اغلاط ہے۔ توریت مقدس کی رو سے ہارون علیہ اسلام کی خدمت میں ایک عورت کی خدمت میں بعد المشرقین سے بھی زیادہ بعد تھا۔ بلکہ کوئی عورت ان خدمات میں سے ایک کو بھی بجا نہیں لا سکتی تھی جن کے بجالانے کے لئے ہارون مامور تھے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں مریم صدیقہ کی والدہ محترمہ کہہ رہی ہیں کہ (سورہ آل عمران آیت ۳۶)

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ

جس کی تفسیر میں آپ کی مقتدا سرسید علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں کہ "بیٹی اس طرح پر معبد کی خدمت گذاری پر مومور نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے جب لڑکی پیدا ہوئی تو حضرت مریم کی ماں نے افسوس کیا کہ اور کہا کہ (وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى)ۚ

[3]" قال الطبری۔ وکانت حنۃ مریم الانجیل فنذرت اللہ ان حملت لتجلعن ولد بھا جبأبیت المقدس علی خدمت علی عادا تھم فی نذر مثلہ فلما حملت ووضعتھا الفھقا فی خرقتھا وجائت بھا الی المسجد فدفتطا الی عبادہ وھی ابنہ نے اسامھم فتناز عوانی کفالتھا۔ وار اد ذکریا ان یستبد بھا لان زوجہ ایشاع (الیصبات) خالتھا۔" (ابن خلدون و بروایت طبری) سلطان

پس صاف ظاہر ہے کہ مریم اور ہارون میں "مماثلت" نہیں بلکہ مخالفت ہے جنسیت کے لحاظ سے بھی اور خدمت کے لحاظ سے بھی۔ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ خود بدولت نے اس رمز کو نہیں سمجھا۔

اسی طرح آپ کا یہ فرمانا بھی سراسر غلط ہے کہ مریم کو بنت عمران کہنا یہ معنی نہیں رکھتا ہے کہ وہ واقعی عمران کی بیٹی تھیں" میں کہتا ہوں کہ وہ واقعی عمران کی بیٹی تھیں" کیونکہ قرآن مجید مریم کو صرف بنت عمران ہی ظاہر نہیں کرتا بلکہ ان کی والدہ محترمہ کو "عمران کی[4] بیوی بھی بتلاتا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مریم صدیقہ حقیقۃً اور صلباً عمران کی بیٹی تھیں۔ چنانچہ آپ کے صاحبِ ماخذ سرسید مرحوم بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ "یہ نام حضرت مریم کے باپ کا ہے" پھر نہ معلوم کس بناپر آپ لکھتے ہیں کہ وہ واقعی عمران کی بیٹی نہیں تھیں۔

انجیلوں میں باہم اختلاف

شقِ ثالث میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ "انجیلوں میں باہم سخت اختلاف ہے یہاں تک کہ بعض جگہ مریم کا بھی بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ اور بعض بیانات سے بجائے عمران کے مریم کے باپ کا نام یواقیم درج ہے۔ مدیر صاحب نگار کی قرآن دانی تو آپ دیکھ چکے اب آپ ذرا ان کی انجیل دانی کی مہارت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کے اس مضمون کی بناپر میں تو قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے انجیل دیکھی ہی نہیں ۔کاشکہ خدا آپ کو یہ توفیق دیتا کہ کم از کم ایک بار ہی آپ اس کو دیکھ لیتے۔ قبلہ! میں آپ سے بالتحدی مطالبہ کرتا ہوں کہ کچھ نہیں تو ایک جملہ یا ایک لفظ ہی آپ "انجیلوں" میں سے اقتباساً پیش کریں جس سے اگر بالوضاحت نہیں تو بلاشارہ یا بالکنایہ سمجھا جاسکے کہ مریم صدیقہ "بغیر باپ" کے پیدا ہوئی تھیں۔ تاسیہ روی شود ہر کہ درد غش باشد۔

آپ کا یہ فرمانا بھی کہ "بعض بیانات سے بجائے عمران کے مریم باپ کا نام یواقیم درج ہے"۔ مافوق کذب اور بہتان ہے۔ انجیلوں میں نہ تو مریم صدیقہ کے والد کا نام عمران لکھا ہے اور نہ یواقیم لکھا انجیل میں جو نسب نامہ درج ہے بعض مفسرین کا یہ خیال ہے وہ مریم کا نسب نامہ ہے! اگر یہ خیال درست بھی ہو تب بھی انجیلوں میں باہم سخت اختلاف نہیں بلکہ قرآن مجید اور انجیلوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں مریم صدیقہ کے باپ کا نام عمران لکھا ہوا ہے۔ اور لوقا کی انجیل میں عیلی لکھا ہوا ہے۔ لیکن درحقیقت قرآن مجید اور انجیل مقدس بھی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوں۔ صحفِ مطہرہ میں بیسیوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک شخص کے کئی کئی نام ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصلواۃ والسلام کے دو نام تھے۔ ابرام، ابراہام خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ السلام کے چار مشہور نام تھے۔

---

[4] إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَى وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

ترجمہ: جس وقت عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو میرے پیٹ میں ہے میں نے اس کو خالصاً تیری نذر کر دیا پھر میری طرف سے قبول کر بیشک تو ہی سننے والا ہے جاننے والا پھر جب بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے کہا اے پروردگار میں نے تو بیٹی جنی اور خدا خوب جانتا ہے جو اس نے جنا اور بیٹا بیٹی کی مانند نہیں ہوتا اور ہاں میں نے اس کا نام مریم رکھا اور بیشک میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں مردود شیطان سے (سلطان)

یسوع (عیسیٰ)، مسیح، عمانوائیل وابن آدم، مقدس پطرس کے دو نام تھے شمعون و پطرس وغیرہ۔ سرسید مرحوم بھی یہی لکھتے ہیں کہ "عیسائی مذہب کی کتابوں سے ٹھیک طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مریم کے باپ کا کیا نام تھا۔ بعضے گمان کرتے ہیں کہ ہیلی یا عیلی ان کے باپ کا نام تھا۔ اگر وہ صحیح بھی ہو تو ممکن ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوں (عمران ۳۵)

مسئلہ ولادتِ مسیح وآیات وانجیل وقرآن

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ :

"اب دوسری صورت بحث کی یہ ہے کہ نفسِ مسئلہ ودلات مسیح کے متعلق انجیل وقرآن کی آیات پر غور کیا جائے۔ انجیلیں چار ہیں۔

(۱۔) متی کی انجیل جو حضرت عیسیٰ کے دو سال بعد لکھی گئی اور تمام انجیلوں میں بہت قدیم ہے۔

(۲۔) لوقا کی انجیل جو ۳۰۔۳۱ سال بعد تحریر میں آئی۔

(۳۔) یوحنا کی انجیل جو ۶۳، ۶۴ سال بعد لکھی گئی۔

(۴۔) مرقس کی انجیل جو اس کے بہت بعد کی ہے۔

ان چاروں انجیلوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف مریم کے شوہر اور عیسیٰ کے باپ تھے متعدد مقامات پر اسی نسبت کا اظہار کیا گیا ہے (دیکھو انجیل متی باب ۱ درس ۱۶۔ لوقا کی انجیل باب ۲ درس ۳۳۔ یوحنا کی انجیل باب ۶ درس ۴۲)۔

دیانتدار نقال

اختلاف آرا کی بنا پر ہم کسی شخص کی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً اخلاقی مجرم ہوں گے۔ **"نگار"** میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ کسی مضمون کی نقل اتارنے میں نہایت دیانتداری سے کام لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ مکھی پر مکھی مارنے کے گویا آپ مجسم مصداق بنتے ہیں۔ مضمون صحیح ہو یا غلط ان کی بلا سے۔ صرف نقل کرنے سے ان کا مطلب ہوتا ہے چنانچہ فقرہ مافوق اس کا شاہد ہے۔ فقرہ مافوق کو آپ نے سرسید علیہ الرحمۃ کی **"تفسیر قرآن"** کے (سورہ عمران کے صفحہ ۲۱) سے بلفظ نقل کیا ہے۔ اور اس کی صحت اور عدم صحت کا قطعاً لحاظ نہیں کیا۔ حالانکہ سرسید مرحوم کا یہ خیال کہ "مرقس کی انجیل اس کے بہت بعد کی ہے۔" بالکل صحت سے خالی ہے۔ حالانکہ مرقس کی انجیل تمام تر انجیلوں میں قدیم تر ہے۔ (ڈمیلو کی ایک جلد تفسیر بائبل)۔

(The One Volume Bible Commentary Edited By J.R. Dummelow. M.A)

خیر! یہ تو ایک تاریخی مسئلہ تھا جس کی تحقیق **"نگار"** کی نازک طبیعت برداشت نہیں کر سکتی تھی اب آپ کی انجیل فہمی ملاحظہ ہو۔ آپ (درحقیقت سرسید مرحوم) لکھتے ہیں کہ :

مدیر صاحب نگار کی انجیل فہمی

ان چاروں انجیلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف مریم کے شوہر اور عیسیٰ کے باپ تھے۔ متعدد مقامات پر اسی نسبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ (دیکھو انجیل متی ۱:۱۶۔ لوقا کی انجیل ۲:۳۳۔ یوحنا کی انجیل ۶:۴۲)۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نہ صرف انہیں مقاماتِ بالا میں بلکہ اور مقامات میں بھی یوسف کو مریم کا شوہر اور عیسیٰ کا باپ کہا گیا ہے۔ لیکن جب ان مقامات کو اناجیل کے دیگر مقامات کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ "شوہر اور باپ" کے وہ معنے نہیں ہیں جو مدیر صاحب نگارؔ اور سرسیدؔ مرحوم سمجھتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان آیات کو لکھتے ہیں جن سے الفاظ بالا پر روشنی پڑتی ہے:

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا چپکے سے اس کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا۔ اے یوسف ابن داؤد۔ اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے"۔ (متی ۱: ۱۸تا۲۱) نیز ملاحظہ ہو (لوقا ۱: ۲۶تا۲۸)۔

آیاتِ مافوق میں چند نہایت غور طلب امور کا بیان ہے۔ مثلاً:

(۱۔) مریم صدیقہ کی منگنی یوسف کے ساتھ۔

(۲۔) منگنی کی حالت میں مریم صدیقہ کا حاملہ پایا جانا۔

(۳۔) یوسف کو جب معلوم ہوا کہ مریم صدیقہ حاملہ ہیں تو ان کو چھوڑ دینے کا ارادہ کرنا۔

(۴۔) جب مریم صدیقہ حاملہ پائی گئیں تو اس وقت تک وہ یوسف کے گھر میں نہیں رہتی تھیں۔

(۵۔) فرشتہ کا یوسف کو خواب میں یہ کہنا کہ یہ حمل انسانی نطفہ سے نہیں بلکہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔

امر اول پر ہم دونوں کا اتفاق ہے اس لئے اس پر مزید بحث کرنا فضول ہے۔ البتہ امر دوم قابلِ غور ہے۔ سرسیدؔ مرحوم اپنی **"تفسیر القرآن"** میں لکھتے ہیں کہ

"مسیح کی ولادت منگنی کی حالت میں یوسف کے نطفہ سے ہوئی تھی۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہودیوں میں منگنی اور نکاح میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا"۔

(تفسیر القرآن۔ عمران آیت ۴۲)

یہ سراسر غلط اور بالکل لغو ہے۔ مجھ کو بے حد تعجب ہے کہ سرسیدؔ جیسے محقق کے قلم سے کس طرح یہ لغزش (بھول چوک، خطا) واقع ہوئی اور ہمارے کرم فرما آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"مریم کا تعلق ازدواج تو یقیناً اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی اور اولادیں بھی تھیں پھر جس طرح اور اولادیں تعلق ازدواج کے بعد ہوئیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی ہو گئی۔"

کسی دو شخصوں میں ایک بات پر اختلاف پایا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ دونوں میں سے ایک حق بجانب ہو گا۔ یعنی یا تو سرسیدؔ حق بجانب ہوں گے جو مسیح کی ولادت کو اثنائے منگنی میں تسلیم کرتے ہیں یا ہمارے کرم فرما حق بجانب ہوں گے جو مسیح کی ولادت کو نکاح کے بعد تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن انجیلِ مقدس مقتدی اور مقتداد دونو کی تکذیب کرتی ہے۔ چنانچہ امر سوم سے ظاہر ہے۔ اگر درحقیقت مسیح کی ولادت یوسف کے نطفہ سے

منگنی کی حالت میں یا اس کے بعد نکاح کی حالت میں ہوتی تو یوسف کا چپکے سے مریم کو چھوڑ دینے کا ارادہ کرنا نہ صرف بے معنی بلکہ شرارت ہوتی۔ کیونکہ بقول سرسید مرحوم اگر یہودیوں کے دستور کے موافق منگنی اور نکاح میں کوئی فرق نہیں تھا تو مریم صدیقہ کے چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہ تھی اور یوسف علی الاعلان (باآوازِ بلند) کہہ سکتا تھا کہ یہ میرا نطفہ ہے۔ اور بقول ہمارے کرم فرما کے اگر تعلق ازدواج کے بعد مسیح کی ولادت ہوئی ہوتی تب تو مطلق ان کو مریم صدیقہ کے چھوڑ دینے کا خیال تک نہ کرنا چاہیے تھا۔ وہ کون شخص ہے کہ اپنی منکوحہ بیوی کو جو اسی کے نطفہ سے حاملہ ہوئی ہو چھوڑ دینے کا ارادہ کرے تاوقت یہ کہ وہ بدذات اور شریر النفس ثابت نہ ہو۔ کیا ہمارے کرم فرما یہ ثابت کر سکیں گے؟ پس یوسف کا مریم صدیقہ کے چھوڑ دینے کا ارادہ کرنا اس بات کی کافی اور شافی دلیل ہے کہ مسیح کی ولادت میں یوسف کا کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ مریم صدیقہ اس وقت تک یوسف کے گھر میں بھی نہیں آئی تھیں جیسا کہ امر چہارم سے ثابت ہے۔ ورنہ فرشتے کا یہ کہنا کہ اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر" مہمل (بیکار) ٹھہرتا تھا۔

امر پنجم تو صاف طور پر اور بالوضاحت بتلا رہا ہے کہ مریم صدیقہ کا یہ حمل نہ تو یوسف سے تھا اور نہ کسی اور بشر سے تھا بلکہ محض "روح القدس کی قدرت" سے تھا۔ پس جہاں کہیں اناجیل میں یوسف اور مسیح کے تعلق کو باپ یا بیٹے یا اسی قسم کے دیگر الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے وہ سب مجاز پر محمول ہیں نہ کہ حقیقت پر۔ اب آپ سمجھ گئے؟

قرآن مجید سے ولادتِ مسیح پر بحث

آگے چل آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

کلام مجید کی آیات میں کسی جگہ اس کا اظہار نہیں کیا گیا کہ آپ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی ہے لیکن بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے یہ مفہوم اخذ کیا جاتا ہے اس لئے آئیے اب ان الفاظ پر غور کریں کہ اصلی بحث یہی ہے اور اسی پر فیصلہ کا انحصار ہے۔

"اب آپ عمران کی ان آیتوں کو دیکھئے جنہیں ہم درج کر چکے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا وہ لفظ جس کو ولادت مسیح سے متعلق سمجھا جاتا ہے "کلمہ" کا لفظ ہے۔ یعنی ملائکہ کا مریم سے یہ کہنا کہ ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں خدا کی طرف سے ایک "کلمہ" کی جس کا نام ابن مریم ہوگا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مسیح واقعی خدا کے صرف ایک کلمہ تھے اور یہی کلام مسیح کی ولادت کا باعث ہوا۔ لیکن کسی شخص کا یہ خیال کرنا نافہمی کی دلیل ہے کیونکہ اول تو اس کے یہ معنی ہو ہی نہیں سکتے کہ جس کلمہ کی خوشخبری دی جاتی ہے اس کا نام مسیح ہوگا۔ کیونکہ لفظ کلمہ مونث ہے اور اسمہ میں ضمیر مذکر کی ہے اگر وہ مقصود ہوتا تو اسم ھا ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر مسیح کو کلمہ الٰہی سمجھ لیا جائے تو بھی اس سے ان کی ولادت بے باپ کے کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

کلمہ کا لفظ کلام مجید میں اکثر جگہ آیا ہے لیکن کسی جگہ اس کے معنی لفظ یا کلام کے نہیں لئے گئے۔ اکثر جگہ تو اس سے مراد پیشینگوئی لی گئی ہے لیکن کہیں کہیں احکام ربانی کتاب الٰہی اور مخلوقات مراد ہیں مثلاً (سورہ آل عمران آیت ۳۹)

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

کہ یہاں کلمہ سے مراد پیشینگوئی ہے۔(سورہ یونس آیت ۶۴)

لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ

کہ اس جگہ بھی پیشینگوئیاں یا مقادیر الہیٰ مراد ہیں۔(سورہ انعام آیت ۳۴)

وَ لَقَدۡ کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَصَبَرُوۡا عَلٰی مَا کُذِّبُوۡا وَ اُوۡذُوۡا حَتّٰۤی اَتٰىہُمۡ نَصۡرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ۚ

یہاں بھی کلمات سے پیشینگوئیاں مراد ہیں۔(سورہ الکہف آیت ۱۰۹)

قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا

یہاں کلمات سے مخلوقات مراد ہیں۔

پھر جب قرآن پاک میں کسی جگہ کلمہ کے معنی لفظ کے نہیں آئے تو آلِ عمران کی اس آیت میں کیوں کر وہ معنی مراد ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ یہاں بھی کلمہ کے معنی پیشینگوئی کے ہیں۔ جیسا کہ امام رازی نے بھی ظاہر کیا ہے۔ یا صرف مخلوق کے اور اس لحاظ سے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ''فرشتوں نے مریم سے کہا اللہ تجھے ایک بیٹے کی پیش گوئی کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا'' لفظ (ولد یبشرک) کے بعد مخذوف سے جیسا کہ (سورہ حجر کی آیت ۵۵) میں (**قالو البشرک**) کے بعد لفظ ولد مخذوف (حذف کیا گیا، الگ کیا گیا) ہے اور اس طرح مخذوفات پُر کرنے کے بعد آیت یوں ہو گی:

"اِبنِ اللہ یبشرک بکلمتؤ منؤ (بولد) اسمؤ مسیح الخ۔ ''یعنی اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھے اپنی طرف سے ایک پیش گوئی کی (اور وہ پیشینگوئی ایک لڑکے کی ہے) جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا''۔ لفظ ولد کو حذف کر کے اس کا مفہوم مراد لینا بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم لوگ کنایتہً کسی کو حاملہ کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ فلاں عورت اُمید سے ہے یا ولادت کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ خدا جلد کوئی خوشخبری سنائے بالکل یہی انداز بیان اس جگہ کلام مجید کا ہے۔ بہر حال اس آیت میں لفظ کلمہ سے کوئی مفہوم ایسا اخذ نہیں ہو سکتا جس سے عیسیٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا ثابت ہوتا ہو۔ (سورہ مریم) میں بجائے لفظ کلمہ کے صراحتہً الفاظ غلاؔ م کیا (پاکیزہ لڑکا) استعمال کئے گئے ہیں اور یہ مزید ثبوت اس امر کا ہے کہ یہاں بھی لفظ کلمہ کا مفہوم وہی ہے نہ کہ کام خداوندی"۔

عبارت بالا میں آپ کے خیالات و قرار ذیل مندرج ہیں:۔

(ا)۔ "کلام مجید کی آیات میں کسی جگہ اس کا اظہار نہیں کیا گیا کہ آپ (مسیح) کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی ہے"۔

(ب)۔ "لفظ کلمہ مونث ہے اور اسمہ میں ضمیر مذکر کی ہے اگر وہ مقصود ہوتا تو اسم ہا ہونا چاہیے تھا"۔

(ج)۔ "کلام مجید میں کسی جگہ کلمہ کے معنی لفظ یا کلام کے نہیں لئے گئے"۔

(د)۔ "اکثر جگہ کلمہ سے مراد پیش گوئی لی گئی ہے لیکن کہیں کہیں احکام ربانی۔ کتاب الہیٰ اور مخلوقات مراد ہیں"۔

(ہ)۔"اور اس طرح محذوفات پُر کرنے کے بعد آیت یوں ہو گی"۔

قرآن مجید میں مسیح کی ولادت بغیر باپ کے بالوضاحت موجود ہے۔

شق الف کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو شخص ایک سر سری نگاہ سے ہی ہمارے اس رسالہ کو ایک بار دیکھے گا وہ یقیناً تسلیم کرے گا کہ قرآن مجید میں مسیح کی ولادت بغیر باپ کے بالوضاحت موجود ہے اور جمہور مسلمان کا اس پر نہ صرف اتفاق ہے بلکہ ایمان ہے۔ آگے چل کر جہاں قرآن مجید کی آیات پر بحث کریں گے وہاں ہم اس کو ثابت بھی کریں گے۔

لفظ کلمہ اور مدیر صاحب نگار کی عربی دانی

آپ کے اس مضمون کی بہ تنقیح (کسی چیز کو زوائد اور عیوب سے پاک کرنا) کرتے کرتے جب میں فقرہ مافوق تک پہنچ گیا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ اب تک تو سر سید مرحوم کی تفسیر کی نقل ہو رہی تھی اُنہی کے خیالات کا منتج (نتیجہ) ہو رہا تھا، لیکن یہاں سے رنگ کچھ بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ کے شق "ب۔ہ" تک کی بحث نہ تو سر سید مرحوم کی تفسیر میں ہے اور نہ سر سید مرحوم کوئی اوّلی درجہ کے عربی دان تھے جو اس طرح کی غلط بحث کر کے اپنی لیاقت پر داغ لگاتے۔ لہذا مناسب معلوم ہوا کہ میں ان شقوق کے ماخذ کا بھی پتہ لگاؤں۔ چنانچہ میں نے فی الفور پتہ لگالیا کہ یہ پوری بحث مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے ترجمہ القرآن سے منقول ہے۔ چنانچہ مولٰینا لکھتے ہیں کہ :۔

> **"ایسی کی موید یہ بات ہے کہ کلمته منه کے بعد فرمایا اسمه ۔حالانکہ کلمته مونث ہے۔ تو پس اسمه میں ضمیر مبشر بہ کی طرف جائے گی یعنی اس کا نام جس کی بشارت دی جاتی ہے۔ کلمہ کی ضمیر دوسری جگہ صاف موئنث ہے۔(کلمته القاها الی مریمه) توپس جب ضمیر کے لئے (المبشر به) کی تاویل کرنی پڑی تو (کلمة منه کو یبشرک) کا مفعول ثانی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں"۔**

(نکات القرآن صفحہ ۲۳۱، نوٹ ۴۳۷اور بیان القرآن نوٹ نمبر ۴۲۳ صفحہ ۳۱۰اور ترجمۃ القرآن انگریزی نوٹ نمبر ۴۲۳)۔

مقابلہ کرو **شق "ب"** کے ساتھ:

"کلمۃ ایک تو نحویوں کی اصطلاح ہے اور صرف ایسے لفظ پر بولا جاتا ہے۔ جو مفروضی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ مگر قرآن کریم میں اور عام محاورہ میں کلمہ سے مراد کلام لیا گیا ہے جیسا کاف کے اس قول پر کہ (سورہ المومنون آیت ۹۹۔۱۰۰) رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ فرمایا (سورہ المومنون آیت ۱۰۰) اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا جس میں اس طاری کلام کو کلمہ فرمایا ہے۔ ایسا ہی فرمایا (سورہ اعراف آیت ۱۳۷) وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا الخ کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ لیا گیا ہے (سورہ القصص آیت ۵) وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ پس (سورہ

آل عمران ۳۹)**بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ** سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔۔۔اب اللہ کے **والکلام مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ** جس کی تصدیق حضرت یحییٰ علیہ اسلام نے کی وہ صرف ان کی پیدائش کا ذکر ہے۔اور در حقیقت یہاں مراد صرف اسی قدر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو جو پیش گوئی کے رنگ میں حضرت زکریاہ پر ظاہر ہوا پورا کر دکھائیں گے۔**کلمة من الله** کے یہی معنی یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام بر نگ پیش گوئی حضرت مسیح کے متعلق بھی ہے۔(سورہ تحریم آیت ۱۲) میں حضرت مریم کے متعلق ہے **وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا**۔اس نے اپنے رب کے کلمات کو سچ کر دکھایا یہ بھی اسی حال میں درست ہو سکتا ہے کہ کلمات سے مراد پیش گوئیاں لی جائیں۔نہ (کلمات ربھا) سے مراد مسیح ہیں اور نہ (کلمۃ من اللہ) سے مراد مسیح ہے۔(نوٹ ۴۳۱) اپنے کلمات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات اس قدر لاتعداد ولا تحصیٰ ہیں کہ سمندر ختم ہو جائیں مگر وہ کلمات ختم نہ ہوں"۔**(نوٹ نمبر ۴۳۷ نکات القرآن)**

مقابلہ کرو **شق "ج، د"** کے ساتھ (سورہ آل عمران آیت ۴۵)

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ * اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

ترجمہ:۔"اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے بذریعہ اپنے ایک کلام کے (ایک لڑکے کی) جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے"۔

عام طور پر اس کے معنی یوں کئے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام مسیح ابنِ مریم ہے۔اس لحاظ سے مسیح کو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ کہا گیا ہے۔۔۔مگر میں کہتا ہوں کہ **يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ** میں باذریعہ کے لئے ہے۔یعنی معنی یہ ہیں کہ "اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمہ کے ذریعہ بشارت دیتا ہے"۔جیسا کہ حضرت ابراہیم کو اسحاق کی بشارت **ملی یبشرک بالحق** ہم تجھے حق کے ذریعہ بشارت دیتے ہیں۔یہ مراد نہیں کہ الحق کی بشارت دیتے ہیں۔اس صورت میں مفعول کو محذوف کر کے اس کی بجائے فرمادیا **اسْمُهُ الْمَسِيْحُ**۔وہ جس کی بشارت ہم دیتے ہیں اس کا نام مسیح ہے۔تو **كَلِمَةٍ مِّنْهُ** سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی ہے"

(نوٹ نمبر صفحہ ۴۳۷ نکات القرآن اور ترجمہ القرآن انگریزی نوٹ نمبر ۴۳۷)۔

مقابلہ کرو **شق "ہ"** کے ساتھ۔

اب ان شقوق کے ماخذوں کے معلوم ہونے کے بعد ہر ایک کے متعلق جداگانہ جداگانہ بحث کریں گے۔**شق "ب"** سے ہماری اس رائے کی جو ہم مدیر صاحب کی عربی دانی کی نسبت کہیں اگلے صفحوں میں ظاہر کر چکے ہیں۔ایسی تصدیق ہوتی ہے جس کو کوئی شخص کسی حالت میں رد نہیں کر سکتا ہے۔میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ "کلمہ" لفظ مونث ہے۔اور اس کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ "اسمہ" میں ضمیر مذکر کی ہے۔لیکن آپ کے اس جملہ کو کہ "اگر وہ مقصود ہوتا تو (اسمھا) ہونا چاہیے تھا" سراسر لغو سمجھتا ہوں۔قبلہ آپ نے نقل کرنے کی خوبی تو خوب دکھائی لیکن اس پر غور نہ کیا کہ مولانا محمد علی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ قوانین نحویہ کے اعتبار سے صحیح بھی ہے یا نہیں۔اب سنئے! علمِ نحو (وہ علم جس سے کلمات کو جوڑنا توڑنا اور اُن کا باہمی تعلق معلوم ہو) کا یہ ایک بین قانون ہے کہ ایسے الفاظ کو جو کہ لفظاً مونث میں جب کسی مذکر کے لئے بطور اسم کے مستعمل

ہو جائیں تو اس حالت میں ان کے لئے فعل یا ضمیر لانے میں ان کی ثانیث لفظی ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔اور ان کے مفہوم اور مسمیٰ کا لحاظ واجب ہو جاتا ہے۔اب اس کی دلیل بھی سن لیجئے۔ طلحہ ایک لفظ ہے جو بعینہ کلمہ کی طرح مونث ہے۔اور آنحضرت کے ایک نہایت ممتاز صحابی کا نام ہے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر طلحہ کے لئے عربی میں کوئی فعل یا ضمیر لائی جائے تو اس کی جنسیت کیا ہونی چاہیے؟ آیا مذکر یا مونث؟ آپ کہیں گے کہ مونث ہونی چاہیے کیونکہ آپ نے مان لیا ہے کہ ''چونکہ کلمہ مونث ہے لہذا اس کے لئے ضمیر بھی مونث ہونی چاہیے''۔بسیار خوب۔اب میں طلحہ کے لئے عربی میں ایک فعل مونث اور ایک ضمیر مونث لا کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ آیا۔یہ جملے صحیح اور درست ہیں؟ کہ **قامت طلحه ، طلحه قائمته وطلحة قائم ابوها**۔آپ تو ضرور کہیں گے کہ درست ہیں لیکن جن کو عربیت سے ذرا بھی مس ہے وہ آپ پر قہقہ لگائیں گے۔قبلہ! مافوق کے جملوں کی صحیح سورتیں یوں ہیں۔**قائم طلحه صلحة قائم وطلحة قائم ابوه**۔پس اس قاعدہ کی رو سے "اسمہ میں جو ضمیر مذکر ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔میں سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ میں نے آپ کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے جس طرح اپنے شاگردوں کو سمجھاتا ہوں اگر اس پر بھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو بہتر ہے کہ آپ اپنے استاد مولانا محمد علی صاحب سے استصواب کریں۔

کرم فرمائے من! یہ قاعدہ عربیت ہی سے مختص نہیں ہے بلکہ اردو میں بھی رائج ہے۔آپ تو چشم بد دور نہ صرف ایک اعلیٰ شاعر ہیں بلکہ ایک ممتاز اردو انشاء پرداز بھی ہیں۔پھر نہ معلوم آپ سے کس طرح یہ بات پوشیدہ رہی؟ اُردو زبان میں وفا، جفا، اگر غلطی نہیں کرتا تو نیاز (ورنہ بتاویل نذر تو) ضرور مونث ہیں۔اب اگر کوئی شاعر ان الفاظ کو بطور تخلص کے استعمال کرے تو آپ کے قاعدہ کی رو سے یوں کہنا چاہیے کہ "وفا اچھی شاعر ہے" جفا صاحبہ مشاعرہ میں تشریف ملائیں" اور نیاز (بتاویل نذر) اچھی طبیعت رکھتی ہے"۔اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ اردو دان اصحاب ان جملوں کو سن کر کیا فتویٰ لگائیں گے یہی نا کہ "ان کا اردو سب سے اچھا ہے"۔!!!

قبلہ! آپ کو **شق "ج"** میں ہمچو مافوق سخت مغالطہ دیا گیا ہے۔افسوس تو یہ ہے کہ خود جناب نے کلام مجید پر غور نہیں فرمایا اور مولانا مولوی محمد علی صاحب کے اعتبار پر لکھ دیا کہ "کلام مجید کسی جگہ کلمہ کے معنی لفظ یا کلام کے نہیں لئے گئے "اگر میں صرف ایک ہی آیت ایسی پیش کروں جس میں "کلمہ" بمعنی "لفظ" یا کلام" کے ہو تو آپ کے اس قاعدہ کلیہ کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے کافی ہے۔لیکن میں ایسی چند آیتیں پیش کروں گا"۔پہلی آیت (سورہ کہف آیت ۵)

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا

ترجمہ۔"نہ تو ان کو اس بات کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے کو اس کا علم تھا۔کیسی بڑی بات ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ سراسر جھوٹ کہتے ہیں"۔

دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں (سورہ مومنون آیت ۹۹۔۱۰۰)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

ترجمہ:۔"جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو کہے گا کہ اے رب مجھ کو پھر بھیجو۔

شاید میں کچھ بھلام کام کروں جو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔یہ صرف بات ہی بات ہے جو وہ کہتا ہے"۔

مزید براں تیسری آیت پیش خدمت ہے(سورہ توبہ آیت ۷۴)

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

میں خود اس آیت کا ترجمہ نہیں کروں گا بلکہ مولانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ لکھوں گا جو زمانہ حاضر کے ایک مستند عالم ہیں۔وہ ترجمہ یہ ہے:۔

ترجمہ:"قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اور ہم نے نہیں کہا۔اور بیشک کہا ہے کہ انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر"۔

آیت نمبر اول میں نہ فقط کلمہ بہ معنائے بات(لفظ) کے مذکور ہے بلکہ کلمہ کی تعریف بھی اس کے ساتھ مندرج ہے تاکہ اس کے لفظ ہونے میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔علمِ نحو میں کلمہ کی تعریف یہ لکھی ہوئی ہے کہ (**كَلِمَةٌ**)لفظ وضع بمعنی مفرداً یعنی کلمہ لفظ مفرد و معنی دار ہے۔اور لفظ کی تعریف شرح حامی میں یہ لکھی ہے کہ (**اللفظ فی الغته دی الشی من الفمه یقال اکلمت التمرة و لفظت النواة**)یعنی لغت میں لفظ کے معنی کسی چیز کو منہ سے پھینکنا ہے۔عرب کے لوگ کہاں کرتے ہیں کہ میں نے کھجور کھالی اور اس کی گٹھلی منہ سے پھینک دی۔اب اس تعریف کو آیت نمبر اول سے مقابلہ کر کے داد دیجئے کہ کس معنی خیز اختصار کے ساتھ اس میں لکھا ہے کہ (**كَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ**)۔اسی طرح آیت نمبر دوم میں کلمہ کے بعد (**قَآئِلُهَا**) کو لا کر اس کے لفظ ہونے پر مہر کر دی کیونکہ عربی میں کوئی شخص قائل (کہنے والا) نہیں کہا جاسکتا ہے تاوقت یہ کہ وہ اپنے منہ سے کچھ نہ کہے۔اور تعریف بالا سے ثابت ہے کہ جو کچھ منہ سے نکلتا ہے وہ لفظ ہوتا ہے یا الفاظ۔آیت نمبر سوم کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ہندوستان کے ایک چوٹی کے عالم نے کلمہ کا ترجمہ "لفظ" کیا ہے۔

اس قدر لکھنے کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں آپ کو **شق "د"** کی طرف متوجہ ہو جاؤں کیونکہ میں سطور بالا میں ثابت کر چکا ہوں کہ قرآن مجید میں کلمہ کے معنی "لفظ" کے بھی آئے ہیں۔چونکہ آپ نے دو تین آیتیں اپنے ثبوت میں پیش کی ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بھی سرسری نظر ڈالوں۔

سب سے پہلی آیت جس سے آپ نے استدلال(دلیل دینا) کیا ہے کہ کلمہ بہ معنائے پیش گوئی ہے یہ ہے کہ "**مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ**"۔اگر کچھ دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ اس آیت میں کلمہ سے مراد پیش گوئی ہے تو اس آیت کا ترجمہ یوں ہو گا۔کہ "اللہ تجھ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو پیش گوئی کی تصدیق کرنے والا ہے"۔یہ ظاہر ہے کہ تصدیق اس چیز کی جاتی ہے جو معین ہو یعنی وہ ایسی کھلی ہوئی بات ہو کہ بروقت تصدیق مصدق کی سچائی اور دروغ بانی صاف طور پر عیاں ہو جائے۔حالانکہ اس آیت میں کسی قسم کی تخصیص تعئین نہیں ہے۔لہٰذا آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ "یہاں کلمہ سے مراد پیش گوئی ہے"۔یہی سبب ہے کہ سرسید مرحوم بھی اس اس آیت میں کلمہ کا ترجمہ "پیش گوئی" نہیں کرتے بلکہ اس سے مراد "اللہ کا حکم" یا "اللہ کی کتاب" لیتے ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ (**مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ**)(**تفسیر القرآن آل عمران صفحہ**

۱۴) حالانکہ سرسیدؔ مرحوم بھی غلطی پر ہیں لیکن آپ سے کمتر۔ آیت زیر بحث کے صحیح معنی جس کو تمام مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہے یہ ہیں کہ **"یہاں پر کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں"**۔ جو انجیلِ مقدس کے بھی عین موافق ہے۔ انجیلِ مقدس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے مصدق تھے (متی ۳: ۱ تا ۱۲؛ مرقس ۱: ۷ تا ۸؛ لوقا ۳: ۱۵ تا ۱۷؛ یوحنا ۳: ۲۶ تا ۲۹)۔ باقی رہیں وہ تین آیتیں جن میں لفظ کلمات آیا ہے۔ وہاں بھی ان کے معنی ہرگز "پیش گوئیاں" کے نہیں ہیں بلکہ الفاظ ربانی یا کُتب ربانی کے ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ قرآن مجید میں "کلمہ یا کلمات" ایک ہی معنی میں مستعمل ہوئے سراسر نادانی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن مجید "کلمہ" یا "کلمات" مختلف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں تو ان کے معنوں کی تعین اور تحدید کسی طرح ہو سکتی ہے؟ سوال کا جواب یہ ہے کہ قرینہ اور سیاق وسباق سے مثلاً "کلمات" بقرینہ مداد (سیاہی) الفاظ کے معنوں میں ہے یا بمعنائے مجموعہ الفاظ یعنی کتاب وقس علیٰ ھذا۔

مدیر صاحب نگار کی عربی دانی کا مزید ثبوت

آپ کی **شق "ھ"** کو پڑھ کر جی میں آیا کہ اس کو کاٹ کر "زمیندار کے دفتر میں مدیر صاحب فکاہات اور انقلاب لاہور میں" مدیر صاحب افکار وحوادث کی خدمت میں بھیج دوں۔ لیکن یہ سوچ کر باز رہا کہ مولانا ظفر علی اور حضرت سالکؔ جیسے غیور مسلمانوں سے یہ بعید ہے کہ وہ ایک عیسائی اور افغان عیسائی کے مضمون کو اپنے مخصوص میں کالم میں جگہ دیں اور مضمون بھی جب کہ آپ کے ایک ہم پیشہ کے متعلق ہو۔ لہٰذا عربی دان طبقہ کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے آپ لکھتے ہیں کہ :۔

"اور اس طرح محذوفات پُر کرنے کے بعد (سورہ آل عمران آیت ۴۵) یوں ہو گی۔ (اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ * (ولد) اسْمُهُ الْمَسِيْحُ)۔ اس عبارت کے شروع میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ "لفظ ولد يُبَشِّرُكِ کے بعد محذوف ہے جیسا کہ (سورہ حجر کی آیت ۵۵) میں (قَالُوْا بَشَّرْنَاكَ) کے بعد لفظ ولد محذوف ہے"۔

اللہ اکبر! ہندوستان میں عربیت کے فقدان پر جس قدر ماتم کیا جائے اتنا ہی کم ہے! اگر حضرت نیازؔ کو اس کا یقین ہوتا کہ اس کس مپرسی کے باوجود ہندوستان میں ہزاروں عربی دان موجود ہیں تو کیا ان کو "محذوفات" پر کرنے کی جرات ہوتی؟ اور اس بیباکی کے ساتھ قرآن مجید کی آیتوں کو مجروح کرتے؟ قرآن مجید کو بازیچہ اطفال بنانا۔ اپنی رائے اور مرضی پر اس کی آیات کی تفسیر کرنا اگر کچھ بھی حقیقت رکھتا ہے تو نیازؔ صاحب سے جا کر پوچھو۔

گر تو قرآن بدین نمط خوانی

ببری رونق مسلمانی

محترمی ! آیت(اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ) کو(سورہ حجر کی آیت ۵۵)پر قیاس کرنا یا قیاس میں الفارق اور عربی نہ جاننا ہے۔(سورہ حجر کی آیت ۵۵)میں اس وجہ سے لفظ "بغلام" جسے آپ "ولد" کہتے ہیں کہ محذوف مانا جاسکتا ہے کہ فعل (یُبَشِّرُکِ)دو مفعول چاہتا ہے اور یہاں صرف ایک مفعول "ک" ہے۔اس لئے اس کے معنی پورے کرنے کے لئے بقرینہ (آیت ۵۴) یُبَشِّرُکِ کے بعد "بغلام" کو جو(آیت ۵۴)میں مذکور ہے محذوف مانتے ہیں۔لیکن آیت (اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ)پر یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس آیت میں دو نو مفعولین موجود ہیں۔مفعول اول "ک" اور مفعول "ثانی" "بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ" جو صفت موصوف ہے۔

دوسری غلطی آپ کی یہ ہے کہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ " لفظ ولد یُبَشِّرُکِ " کے بعد محذوف ہے۔" تو مناسب تھا کہ ولد "یُبَشِّرُکِ" کے بعد رکھ کر یوں لکھتے۔(اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بولد بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ)جو ایک مہمل جملہ بنتا ہے۔حالانکہ آپ نے " بولد کو "بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ" کے بعد رکھ کر یوں لکھا ہے کہ "(اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ * (بولد)اسْمُہُ الْمَسِیْحُ) گویا کہ آپ اپنی عبارت سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ "کلمہ "بدل ہے لفظ "ولد "کا جو بالکل غلط ہے کیونکہ کلمہ مونث ہے اور ولد مذکر ہے۔یہ ایک دوسرے کے بدل نہیں ہو سکتے۔

تیسری غلطی آپ کی یہ ہے کہ آپ نے "اسْمُہُ مَسِیْحُ" میں سے " مسیح" کے شروع سے الف لام کو حذف کر کے آیت کو بے زینت کر دیا۔اگر آپ کو الف لام کے استعمال کے قوانین معلوم نہ تھے تو آپ اس کو حکائی صورت میں "اسْمُہُ الْمَسِیْحُ" لکھ سکتے تھے۔لیکن بے خبری کا کیا علاج!

نیاز صاحب کا اپنے منہ سے اقرار کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے

اب میں ان تمام نحوی نکات سے قطع نظر کر کے کہتا ہوں کہ یہ تمام اصول غلط ہیں بلکہ نیازؔ صاحب صحیح اور درست فرماتے ہیں کہ یُبَشِّرُکِ کے بعد "بولد" محذوف ہے۔پس آیت زیرِ غور کی صحیح صورت یہ ہو گی کہ "اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بولد مِّنْہُ"یعنی اے مریم خدا تجھ کو اپنے بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح ہو گا اور لقب ابن مریم"۔در حقیقت ہم مسیحیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسیح کو جو انجیل مقدس میں "کلام" کہا گیا ہے اس کے معنی "ابن اللہ" کے ہیں۔انجیل شریف میں اس کے سینکڑوں شواہد موجود ہیں یہ ہے "اس قوت برتر واعلیٰ" کی حکمت جس نے آپ ہی کے منہ سے کہہ دیا کہ "مسیح خدا کا بیٹا ہے"

فالحمد اللہ علی ذالک

ترجمہ:۔"شکر اللہ کہ میاں من و تو صلح فتاد"۔

وَ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ پر بحث

اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

"آل عمران کی دوسری آیت جو اس امر کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے یہ ہے (سورہ آل عمران آیت ۴۷)

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

ترجمہ:۔ "مریم نے کہا اے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے دراں حالیکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا۔ خدا نے یہی ہو گا۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے"۔

مریم کا یہ کہنا کہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا۔ اس بات کا ثبوت نہیں کہ عیسیٰ کے کوئی باپ نہ تھا کیونکہ مریم کا تعلق ازدواج تو یقیناً اس سے ثابت ہے کہ ان کے اور اولادیں بھی تھیں پھر جس طرح اور اولادیں تعلق ازدواج کے بعد ہوئیں اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی ہو گی۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت مریم کو بشارت دی گئی اس وقت تک اس کا نکاح نہ ہوا ہو گا۔ اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ مجھے تو اب تک مرد نے نہیں چھوا ہے لیکن بعد کو تعلق ازدواج قائم ہوا اور حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے"۔

ناظرین کو یاد ہو گا کہ میں شروع ہی سے کہتا آیا ہوں کہ جو کچھ حضرت نیازؔ نے لکھا ہے وہ ان کی دماغ سوزی اور عرقریزی کا نتیجہ اور ان کے ذہن رسا کا خلاصہ نہیں بلکہ سرسیدؔ مرحوم اور مولانا محمد علیؔ صاحب کی عبارات کی نقلیں ہیں جن کو وہ اپنی طرف نسبت دیتے ہیں۔ عبارت بالا بھی انہی سنگلاخوں میں سے ایک سنگ ریزہ ہے جس کو حضرت نیازؔ نے غلطی سے دُر شہوار سمجھ کر نقل کیا ہے۔ مولانا مولوی محمد علیؔ صاحب آیتِ مافوق کی تحت میں لکھتے ہیں کہ

(لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ) سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ آئندہ بھی مریم کو بشر نے نہیں چھونا تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے مسئلہ کو اگر متنازع بھی مانا جائے کہ وہ بغیر مس بشر کے پیدا ہوئے تھے یا مس بشر سے یہ امر بہر حال مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ کے اور بھی بھائی اور بہنیں تھیں وہ تو آخر مس بشر سے ہی پیدا ہوئے تھے۔ پس (و لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ) صرف گذشتہ کے متعلق ہے اور آئندہ کے لئے نہیں"

(نوٹ نمبر ۴۴۱ نکات القرآن اردو ترجمہ القرآن نوٹ ۴۲۷)

میں اس مضمون پر کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کب ہوئی۔ آیا نکاح کے قبل یا اس کے بعد۔ اس کتاب میں اوپر مفصل بحث کر چکا ہوں یہاں اس کے اعادہ (دوہرائی) کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں مجھے یہ دکھانا ہے کہ حضرت نیازؔ کو نہ صرف سرسیدؔ مرحوم سے اختلاف ہے بلکہ ان کے دوسرے صاحب ماخذ مولانا محمد علیؔ صاحب کے قبلہ و کعبہ حضرت مرزاؔ صاحب آنجہانی غفر اللہ ذنوبہ سے بھی سخت اختلاف ہے۔ جن کا یہ

دعویٰ ہے کہ قرآن دانی میں ان کی ہمسری کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ مرزا صاحب آنجہانی غفراللہ ذنوبہ اپنی کتاب **(کشتی نوح کے صفحہ ۱۶)** میں لکھتے ہیں کہ

"اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم تورات میں عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا اور بتول (کنواری) ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا ہے؟ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں"۔

آپ نے غور فرمایا ہو گا کہ جناب کے صاحبِ ماخذ کے مرشد کس صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت مریم صدیقہ نے ''بوجہ حمل کے نکاح کر لیا''۔ یعنی ان کے نکاح کرنے کا سبب "حمل" ہے جو "نکاح" پر مقدم ہے۔ اب سوال یہ باقی رہے گا کہ ان کو یہ حمل کس طرح ہوا؟ آریہ سماجی علیہم ما علیہم یہ کہتے ہیں کہ معاذاللہ

"ناجائز طور پر ہوا"۔

(ستیارتھ پرکاش صفحہ ۶۲۹ باب ۱۳)

سرسیدؔ مرحوم کہتے ہیں کہ

''منگنی کی حالت میں یوسف سے ہوا''۔

(تفسیر القرآن)

آپ اور آپ کے صاحبِ ماخذ مولوی محمد علیؔ صاحب فرماتے ہیں کہ **"نکاح کے بعد ہوا ہو گا"**۔ جس کی مرزا صاحب آنجہانی غفراللہ ذنوبہ تردید کرتے ہیں۔ اور تمام مفسرین عظام و تمام محدثین کرام و کل متکلمین علامہ اور تمام کُتب سماویہ ذی المجد والاحترام یہ کہہ رہے ہیں کہ **"خدا کی قدرت سے ہوا"** انجیل مقدس کے بعض حوالجات تو ہم اس کتاب میں لکھ چکے ہیں۔ مفسرین و محدثین و متکلمین اسلام کے اقوال اس لئے پیش نہیں کر سکتے کہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی۔ اگر ہمارے کرم فرما مطالبہ کریں تو ایک جداگانہ رسالہ کی صورت میں پیش کئے جا سکیں گے۔ اب صرف قرآن کریم کی آیت مافوق پر بحث کرنا اور حضرت نیازؔ کی غلطی کا اظہار کرنا باقی رہ گیا ہے سو وہ بھی سن لیجئے۔

مسیح کی ولادت بے پدر کے پانچ ثبوت

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونے کا پہلا ثبوت لفظ کذالک

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایک عصمت مآب وعفت انتساب کنواری لڑکی سے اگر یکایک یہ کہا جائے کہ "تیرے لڑکا ہوگا" تو اس عفیفہ کی حیرت اور استعجاب (حیرانی) کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ یہی واقعہ حضرت مریم کو اس وقت درپیش آیا" جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی"۔ تو مریم صدیقہ بے حد متحیر ہوئیں اور اپنی حیرت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا" کس طرح میرے لڑکا ہوگا جبکہ کسی مرد نے مجھے چُھوا تک بھی نہیں ہے"۔ اب اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کی ولادت تعلق ازدواج کے قائم ہونے کے بعد مساس بشری سے ہو تو مریم صدیقہ کو جواب میں یہ کہنا چاہیے تھا" ویمسسک " یا نہایت واضح سورت میں " بشر "پر الف لام عہد ذہن بڑھا کر یوں کہنا چاہیے تھا کہ " ویمسسک البشر "یعنی تیرا خاوند تجھے چُھوئے گا" لیکن فرشتہ اس قسم کے تمام جملوں سے جن سے مریم صدیقہ کا تعلق ازدواج ثابت ہو اعراض (رو گردانی، منہ پھیرنا) کرتا ہے۔ اور یہ بات نہ تو میری سمجھ میں آتی ہے اور نہ دنیا کے کسی عقلمند شخص کی سمجھ میں آسکے گی کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت " تعلق ازدواج" کے ذریعہ سے ہونے والی تھی تو فرشتہ نے اس سے کیوں اعراض کیا اور کیوں صاف صاف نہ بتلایا؟ لیکن خدا کو تو یہ منظور تھا کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت مواصلت و موافعت بشری کے بغیر محض اس کی قدرت کے اظہار کے طور پر ہو۔ چنانچہ فرشتہ نے اسی امر کا اظہار مریم صدیقہ پر بدیں الفاظ کیا کہ "کذالک" ہمارے فاضل مخاطب نے جو عربی دانی پر بہت ہی نازاں معلوم ہوتے ہیں کہ "کذالک" کے متعلق جو کچھ سپردِ قلم فرمایا ہے وہ عربی دان اصحاب کے لئے من لطائف الادب سے کمتر تحسین آفرین نہیں ہے آپ لکھتے ہیں کہ

> **" یہاں پر ایک اور نکتہ قابلِ غور ہے وہ یہ کہ " قَالَ كَذٰلِكَ "آگے کی عبارت" اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ "(سورہ آل عمران آیت ۴۰) سے متعلق ہے یا نہیں۔ (سورہ مریم آیت ۹) میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں لیکن اس طرح" قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ "اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سورہ مریم میں قال کذلک علیحدہ ہے اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی اور اس صورت میں اس کا مطلب ہوگا کہ جب مریم نے کہا کہ میرے کیسے بیٹا ہوگا جبکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چُھوا تو فرشتہ نے کہا" كَذٰلِكَ "(ایسا ہوگا) یعنی تمہیں مرد چُھوئے گا اور تمہارے اولاد ہوگی"۔**

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ "قَالَ كَذٰلِكَ علیحدہ ہے" اور پھر " كَذٰلِكَ "کا ترجمہ "ایسا ہوگا" کرے۔ عربیت کی مٹی پلید کرنا اگر مقصود نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ہمارے کرم فرما کو تو اتنا بھی معلوم نہیں کہ " كَذٰلِكَ "کیا بلا ہے۔ اسم ہے فعل ہے۔ حرف یا مفرد ہے یا مرکب ہے

۔کیا ہے یا کیا نہیں ہے۔آپ نے قرآن مجید کے کسی اردو ترجمہ میں "كَذٰلِكَ" کے نیچے "ایسا ہوگا" دیکھ لیا ہوگا صحیح یا غلط بر گردن مترجم کہہ کر یہاں لکھ دیا۔بس آپ عربی دانوں میں شامل ہو گئے۔

قبلہ !"كَذٰلِكَ" بنظر تفصیل مرکب ہے ان اجزا سے :(ک) حرف تشبیہ (ذا) اسم اشارہ قریب "(ل) حرف تبعید "(ک) حرف خطاب سے وبنظر جمال (ک) حرف تشبیہ و(ذالک) اسم اشارہ بعید سے۔ان دونوں صورتوں میں "كَذٰلِكَ" کے ترجمہ میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا واجب ہے یعنی (۱) مشبہ بہ اور (۲) مشار الیہ کا۔پس "كَذٰلِكَ" کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "جیسا میں نے کہا ہے اسی حالت عدم مساس بشری میں تیرے لڑکا ہوگا"۔اور اگر حالت عدم مساس بشری مشار الیہ نہیں ہے تو جملہ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ و كُنْ فَيَكُوْنُ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ دونو جملے امر فوق العادۃ کے واقعہ ہونے پر استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً جب حضرت زکریا نے کہا کہ "اے پروردگار کس طرح میرے لڑکا ہوگا حالانکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے "تب اللہ نے فرمایا اسی حالت [5] میں لڑکا ہو جائے گا کیونکہ اللہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے اس کو کر گزرتا ہے "۔(عمران آیت ۴۰ ترجمہ از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) اسی طرح قرآن مجید میں جتنی دفعہ جملہ (كُنْ فَيَكُوْنُ) استعمال ہوا ہے اتنی دفعہ امر خرق العادۃ کے واقع ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ میں قارئین کی سہولت کے لئے ذیل میں ان مقامات کے نشان لکھوں گا جہاں جہاں یہ جملہ واقع ہوا ہے۔اور التماس کرتا ہوں کہ ہر ایک مقام کو غور سے پڑھ کر تصفیہ کریں کہ میں حق بجانب ہوں یا حضرت نیازؔ۔وہ مقامات یہ ہیں:

قرآن مجید سورہ ۲ آیت ۱۱۱، سورہ ۱۱۳ آیات ۴۲، ۵۲۔ سورہ ۶ آیت ۷۶۔ سورہ ۱۶ آیت ۴۲۔ سورہ ۱۹ آیت ۳۶۔ سورہ ۳۶ آیت ۸۲۔ سورہ ۴۰ آیت ۷۰۔

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونے کا دوسرا ثبوت لفظ "بَيِّنٌ"

اگرچہ ایک حق گو اور حق پسند شخص کے لئے ثبوتِ مافوق کافی سے زیادہ تشفی وہ امر ہے۔ لیکن میں نے یہ التزام کیا ہے کہ چند ایسی موٹی موٹی باتیں جن کو حضرت نیازؔ کا ذہن بخوبی قبول کر سکے ولادت مسیح کے متعلق مسلسل پیش کروں۔ چنانچہ لفظ "بَيِّنٌ" اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔فرشتہ مریم صدیقہ کے پاس آکر کہتا ہے کہ "اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (میں بھیجا ہوں تیرے رب کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا" (سورہ مریم آیت ۱۹)۔ اس کو سن کر مریم صدیقہ کہتی ہیں کہ (سورہ مریم آیت ۲۰) (اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا)"کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار بھی نہ تھی"۔اس کے جواب میں

---

[5] میں نے آیت مافوق کا ترجمہ ارادۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی متعنا اللہ بطول حیاتہ کے ترجمہ قرآن کریم سے نقل کیا ہے تاکہ عربی دانوں اور نقالوں میں فرق معلوم ہو سکے حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب چونکہ زمانہ حاضرہ کے یکتا اور ممتاز عالم ہیں اس لئے آپ نے کذالک ومشاری الیہ "اسی حالت میں گو بتلایا ہے جس طرح میں نے "حالت عدم مساس بشری بتلاتا ہے۔(سلطان)

فرشتہ کہتا ہے کہ (قَالَ رَبُّکَ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ) ''اسی حالت میں جیسا میں نے کہا تیرے لڑکا ہوگا۔ فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے''۔ لفظ (ہَیِّنٌ) اس مقام پر خدا کی عظمت اور اقتدار کے اظہار کے لئے واقع ہوا ہے۔ یعنی جس بات کو مریم صدیقہ محال تصور کرتی تھیں، اسی بات کے متعلق خدا کہتا ہے کہ میں اس کے کرنے پر قادر ہوں کیونکہ "وہ مجھ پر آسان ہے"۔ اگر اس پیش گوئی کا تعلق "تعلق ازدواج" کے بعد سے ہوتا تو اس قول سے کہ "وہ مجھ پر آسان ہے" خدا کی فضیلت اور تفوق ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ "آسان" کو "آسان" کہنا نہ صرف خدا کا کام ہے بلکہ انسانوں کا بھی کام ہے۔ پس اگر ہم آپ کے قول کو صحیح مان لیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا کی مجبوری اور عاجزی کا اقرار کریں۔

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونے کا تیسرا ثبوت "وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا"

ہر ایک وہ شخص جس کو خدا نے دیدہ حق بین عنایت کیا ہے سورہ مریم کی اس آیت کو کہ (قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ہٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا ﴿۲۳﴾) جب غور سے پڑھے گا تو یقیناً اس سے یہی سمجھے گا کہ مریم صدیقہ کے یہ رنج اور حزن کے کلمے وضع حمل کی تکلیف کی وجہ سے سرزد نہیں ہوئے بلکہ محض بدنامی کے ڈر سے۔ کیونکہ خدا نے عورت کی سرشت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ اولاد کے پیدا ہونے میں اس قدر خوشی محسوس کرتی ہے کہ اس کے بالمقابل تمام تکالیف کو نہایت صبر واستقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک عورت بھی بوقت وضع حمل یہ نہیں کہتی ہے کہ "کاش اس تکلیف سے پہلے میں مر چکی ہوتی"۔ میں نے چند مستند اور نہایت تجربہ کار لیڈی ڈاکٹروں سے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا کہ آیا ان میں سے کسی نے بوقت وضع حمل کسی عورت کے منہ سے اس قسم کے کلمے سُنے ہیں۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ بلکہ ان میں سے ایک نے تو یہاں تک کہا کہ میں ایسی حاملہ عورتوں کے پاس رات دن رہی ہوں جن کو دو دو تین تین دن تک بے حد تکلیف ہوتی رہی، لیکن کسی کے منہ سے میں نے ایسے کلمے نہیں سنے۔ ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ بوقت وضع حمل عورتوں کو بیشک تکلیف ہوتی ہے، لیکن ان عورتوں کو جو محنت کی عادی ہوتی ہیں بہت کم تکلیف ہوتی ہے یہاں تک کہ دھاتی عورتیں وضع حمل کے بعد فی الفور اپنے کام کاج میں لگ جاتی ہیں۔

مختصر مریم صدیقہ کے یہ کلمے کہ "اے کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی" وضعِ حمل کی تکلیف پر نہیں بلکہ بدنامی کے خوف پر دلالت کرتے ہیں۔ اور الفاظ "بھولی بسری ہو گئی ہوتی" اس کی مزید تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم مریم صدیقہ وضع حمل کی تکلیف کی وجہ سے یہ کہتیں تو ان کا کہنا کافی ہوتا کہ ''اے کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی''، لیکن یہ کہ میرا نام دنیا کے ذہن سے محو ہو جائے اور تاریخ کے صفحات سے مٹ جائے۔ ایسے الفاظ ہیں جو خاص بدنامی کے خوف پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونے کا چوتھا ثبوت "وَ جَعَلْنٰہَا وَ ابْنَہَآ اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"

ہمارے کرم فرمانے (سورہ انبیاء آیت ۹۱) کہ (وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ جَعَلۡنٰهَا وَ ابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾) سر سیدؔ مرحوم کی تفسیر سے نقل کر کے کسی قدر کم و بیشی کے ساتھ انہی کے الفاظ میں اس کے دو لفظوں (نفخ روح و احصنت) پر یوں بحث کی ہے کہ :

"ان آیات یا اسی مفہوم کی دوسری آیتوں میں جو جدید لفظ قابلِ غور ہے وہ "نفخ روح" ہے بعض کا خیال ہے کہ خدا کا یہ کہنا کہ ہم نے "روح پھونکی" اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عیسیٰ صرف روح اللہ تھے اور ان کے کوئی باپ نہ تھا۔ لیکن یہ استدلال حد درجہ ضعیف ہے کیونکہ خدا نے ہر انسان کی پیدائش کا باعث نفخ روح قرار دیا ہے جیسا (سورہ سجدہ آیت ۷۔۹) درج ہے۔

خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ

علاوہ ازیں اس کے (سورہ انبیاء کی آیت ۹۱) سے بھی جو اوپر درج کی گئی ہے۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مریم شوہر والی تھیں۔ کیونکہ اس میں لفظ (اَحۡصَنَتۡ) استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی آپ کو محصنہ بیان کیا گیا ہے اور محصنہ اس عفیفہ کو کہتے ہیں۔ "جو شوہر رکھتی ہو"۔ کنواری کو عربی زبان میں محصنہ نہیں کہتے ہیں۔ اس آیت میں جو مریم کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو اس سے یہ مقصود ہے کہ انہوں نے سوائے اپنے شوہر کے اور مردوں سے احتراز کیا نہ یہ کہ اپنے شوہر سے بھی۔ چونکہ بعض یہودی آپ پر زنا کی تہمت رکھتے تھے اس لئے خدا نے کلام مجید میں ان کی عفت کی شہادت دی۔ یہاں ایک نکتہ اور قابلِ غور ہے وہ یہ کہ یہودیوں نے زنا کی تہمت یوسف نجار (بڑھئی) کے ساتھ کبھی نہیں لگائی بلکہ ای ایک اور شخص پنتھرا نالی (؟) کے ساتھ منسوب کی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف نجار کا شوہر ہونا اس وقت سب کو معلوم تھا اور اس کے ساتھ تہمت نہیں لگا سکتے تھے"۔

آیتِ مافوق میں جو جملہ سب سے زیادہ قابلِ غور و لائق بحث تھا وہ یہ ہے کہ "وَجَعَلۡنٰهَا وَ ابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ" لیکن افسوس ہے کہ نہ تو سر سیدؔ مرحوم کو اس پر بحث کرنے کی جرات ہوئی اور نہ ہمارے کرم فرما کو اور نہ ان کے دیگر ذوی المواخذ کو۔ قبل اس کے کہ میں اس پر بحث کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نیازؔ کی دو غلطیاں جو عبارت بالا میں ظاہر کی گئی ہیں بے نقاب کروں۔

پہلی غلطی

آپ کی پہلی غلطی یہ ہے کہ "آپ انسان کی پیدائش کا باعث نفخ روح" بتلاتے ہیں۔اور آیت (خَلْقَ الْاِنْسَانِ)الخ سے اس پر دلیل پیش کرتے ہیں۔حالانکہ اس آیت میں "انسان کی پیدائش" کی علت "طِیْنٍ"(مٹی)اور اس کی نسل "کی پیدائش کی علت "مَّآءٍ مَّهِیْنٍ "(نطفہ)بیان کی گئی ہے۔اور "نَفَخَ رُّوْحِهٖ"کا واقعہ اس کے تسویہ (برابر کرنا،سدھا کرنا،ٹھیک کرنا) کے بعد بیان کیا گیا ہے۔افسوس تو یہ ہے کہ آپ عربی نہیں جانتے ہیں اس لئے آپ سے بار بار لغزش ہوتی ہے۔اس آیت میں "ثُمَّ "حرف عطف ہے جو تراضی (رضامندی،خوش ہونا) اور مہلت کے لئے مخصوص ہے۔یعنی انسان کی تخلیق کے کچھ دیر بعد "اس میں اپنی روح پھونکی"۔سرسیدؔ مرحوم چونکہ عربی دان اور اس نکتہ سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ **"تمام انسانوں کی نسبت خدائے تعالیٰ نے نفخ روح کہا ہے"(تفسیر القرآن سورہ عمران صفحہ ۴۳)**۔کاش کہ آپ سرسیدؔ مرحوم کی اس عبارت کو بلفظہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے۔زیرا کہ پیدائش چیزے دیگر است و نفخ روح چیزے دیگر یعنی پیدا ہونا اور ہے اور روح کا پھونکنا اور۔

دوسری غلطی

آپ کی دوسری غلطی لفظ "محصنہ" کی تعریف ہے آپ لکھتے ہیں کہ "محصنہ اس عفیفہ کو کہتے ہیں جو شوہر رکھتی ہو"الخ۔جو سراسر غلط بلکہ الغلط ہے۔میں بار بار گذارش کر چکا ہوں کہ آپ عربی نہیں جانتے ہیں ناحق اس وادی پُر خار (کانٹوں سے بھری) میں پابرہنہ (ننگے پاؤں) سر گردان پھرتے ہیں۔آپ کے استادِ ازل یعنی سرسیدؔ مرحوم بھی بحوالہ **(تفسیر کبیر)** اس کا اطلاق زنِ شوہر دار وزن بے شوہر دونو تسلیم کرتے ہیں **(دیکھو تفسیر القرآن سورہ آل عمران صفحہ ۲۳، ۲۴)**۔نیز **(قاموس منتہی الارب وصراح)** میں بھی اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ "زن پارسا یا شوہر دار"۔وامراۃ حصان کسحاب عفیفۃ او متزوجہ "یعنی حصان اس عورت کی صفت ہوتی ہے جو پارسا ہو یا شادی شدہ ہو"۔یہ تو توصیفی معنی ہوئے ۔اور اس کے فعلی معنی حفاظت کرنے کو ہوتے ہیں۔مثلاً(اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا)"مریم نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی"۔پس فعلی معنی میں بھی اس کا اسناد وزنِ شوہر دار بے شوہر دار و بے شوہر دونو کی طرف ہوتا ہے۔پس آپ کا یہ کہنا کہ کنواری کو عربی زبان میں محصنہ نہیں کہتے ہیں" بالکل غلط ہے۔باقی رہا یہ کہ مریم صدیقہ شوہر دار تھیں یا نہیں اس پر ہم اوراق گذشتہ میں بالتفصیل بحث کر چکے ہیں، جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ہاں جناب کا یہ کہنا کہ "بعض یہودی آپ پر زنا کی تہمت رکھتے تھے۔الی۔بلکہ ایک اور شخص پنتھرؔ انالی کے ساتھ منسوب کی تھی" گوزِ شتر (بے بنیاد،بے اثر،بیہودہ) سے کم نہیں ہے۔جب آپ اس کو کسی مستند تاریخی حوالہ سے ثابت کریں گے اس وقت میں اس حقیقت کو بھی بے نقاب کرنے کے لئے تیار ہوں گا۔

اب میں اپنے محترم مخاطب اور آپ کے مجملہ ہم خیال سے پوچھتا ہوں کہ آیت مافوق میں(وَجَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ)"اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو ہم نے نشانی جہان والوں کے لئے"۔حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام تو بیشک بوجہ رسالت و تعلیم

معجزات آیتہ للعالمین ہو سکتے ہیں۔ لیکن مریم صدیقہ کے آیتہ للعالمین ہونے کی کیا وجہ ہے ؟ بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ خدا کی قدرت سے آپ بلا مساسِ بشری حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے بطن مبارک سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ ایک ایسی "نشانی" ہے جس کی مثل دنیا میں نہیں مل سکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا پانچواں ثبوت "وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ"

ہمارے مہربان حضرت نیاز تحریر فرماتے ہیں کہ :

"بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کلام مجید میں ہر جگہ عیسیٰ کو ابنِ مریم کہا گیا ہے ان کے باپ کا نام کسی جگہ درج نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ لیکن یہ استدلال غلط ہے کیونکہ کلام مجید جب نازل ہوا تو عیسیٰ اس وقت ابنِ مریم ہی کی کنیت سے مشہور تھے اور اسی لئے مخاطبت میں اس لفظ کو قائم رکھا علاوہ اس کے مگر کلام مجید میں کسی کے باپ کے ذکر کا نہ ہونا اس امر کی دلیل ہو کہ اُس کے باپ ہی نہ تھا تو موسیٰ کو بھی بن باپ کے ماننا پڑے گا کیونکہ اُن کی پیدائش کے ذکر میں بھی اُن کے باپ کا نام نہیں لیا گیا"

یوں تو ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ جو چاہے سو لکھے لیکن آپ جیسے محقق اور قرآن فہم شخص کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ بغیر سوچ سمجھے سب کچھ قلم کے حوالہ کرے۔ آپ کا یہ کہنا کہ "کلام مجید جب نازل ہوا تو عیسیٰ اُس وقت ابنِ مریم ہی کی کنیت سے مشہور تھے" بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام بجز "ابنِ آدم" کے اور کسی کنیت سے مشہور نہ تھے۔ (دیکھو اناجیل اربعہ) نیز آپ کا یہ فرمانا بھی غلط ہے کہ "موسیٰ کی پیدائش کے ذکر میں بھی ان کے باپ کا نام نہیں لیا گیا"۔ کیونکہ قرآن مجید میں صرف حضرت موسیٰ کے "باپ کا نام" موجود ہے دیکھئے آپ کے مقتداء اسر سید مرحوم اپنی تفسیر میں کیا لکھتے ہیں کہ

"تو کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اس مقام پر عمران سے موسیٰ و ہارون کے باپ مراد ہیں"

(تفسیر القرآن آیت ۳۰ سورہ آل عمران)

لیکن حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام نہ تو ان کی پیدائش کے ذکر میں اور نہ پیدائش کے بعد کے اذکار (ذکر کی جمع) میں لیا گیا ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

خیر ! جانے دیجئے کہ حضرت موسیٰ کے باپ کا نام قرآن مجید میں موجود ہے یا نہیں۔ لیکن اس آیت کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَّ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا (سورہ مریم آیت ۳۲)۔ حضرت عیسیٰ کا اگر باپ ہوتا تو ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ " وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ" چنانچہ قرآن مجید میں یہی الفاظ حضرت یحییٰ کے متعلق بھی آئے ہیں لیکن اس طرح کہ (وَّ بَرًّا بِوَالِدَیْهِ) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ کے والد بھی تھے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ کا باپ ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ آیت مافوق میں ان کا بھی ذکر کرتے کیونکہ عدم ذکر سے یہ

لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا سلوک اپنے والد کے ساتھ اچھا نہ تھا اور یہ ان کی شانِ رسالت کے بر خلاف ہے، لیکن چونکہ وہ بغیر والد کے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا۔

چونکہ حضرت نیازؔ کے متعلق میرا یہ گمان ہے کہ آپ نہایت لائق اور فائق ہیں اس لئے ثبوت ہائے مافوق کو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ورنہ قرآن مجید کی ان آیات میں جن میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا ذکر ہے وہ حقائق و معارف بھرے ہوئے ہیں جن کی تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

حرف "ف" و لفظ "کان" پر بحث اور حضرت نیاز کے متضاد اقوال

سلسلہ مضمون کو جاری رکھتے ہوئے حضرت نیاز تحریر فرماتے ہیں کہ :

"آپ سورہ مریم کی آیتوں پر غور کیجئے۔

(سورہ مریم آیت ۱۶) اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَہْلِہَا مَکَانًا شَرْقِیًّا مکان شرقی سے مراد حضرت مریم کی خواب گاہ ہے یا ان کی عبادت کی جگہ جہاں بحالتِ خواب ان کو فرشتہ نظر آیا اور اس سے وہی گفتگو ہوئی جس کا ذکر سورہ آل عمران میں بھی موجود ہے۔ تاہم ایک اور حوالہ قابل ذکر ہے (سورہ مریم آیت ۲۱) (وَ لِنَجْعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَۃً مِّنَّا)ۚ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا تعلق حضرت عیسیٰ کی آئندہ زندگی اور نبوت سے ہے نہ کہ ولادت و طریقِ ولادت سے۔

اس کے بعد مریم کے حاملہ ہونے کا اور ان کے چلے جانے کا ذکر ان الفاظ میں ہے (سورہ مریم آیت ۲۲) فَحَمَلَتْہُ فَانْتَبَذَتْ بِہٖ مَکَانًا قَصِیًّا ۔جب قرآن مجید میں کوئی قصہ یا واقعہ بیان کیا جاتا ہے تو درمیان کی غیر ضروری کڑیاں چھوڑ کر خاص خاص باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن بعض لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سب مسلسل اور فوراً وقوع میں آئے ہیں۔ (سورہ مریم) میں پہلے مریم کا فرشتہ کو دیکھنا۔ بیان ہوا ہے اور اس کے بعد ہی حاملہ ہونے، وضع حمل کی تکالیف میں مبتلا ہونے، عیسیٰ کو اپنی قوم کے پاس لانے اور عیسیٰ کا لوگوں سے گفتگو کرنے کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ لیکن یہ تمام جملے "ف" سے شروع کئے گئے ہیں جس سے ترتیب واقعات تو ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن قُرب زمانی سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام واقعات فوراً ہو گئے یعنی فرشتہ کا آنا، مریم کا حاملہ ہونا، وضع حمل ہو جانا اور مسیح کا بولنا یہ سب ایک ہی ساعت یا دن میں ہو گیا۔ حالانکہ مقصود و صرف واقعات کو اس ترتیب سے ظاہر کرنا ہے نہ یہ کہ وہ فوراً وقوع میں آ گئے۔

(سورہ مریم) کی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم حاملہ ہونے کے بعد کسی دور جگہ چلی گئیں اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ ناصرہ تھی یا مصر جہاں وہ اپنے نسبتی شوہر یوسف نجار کے ساتھ تشریف لے گئیں۔ اس کے بعد آیت "فَاَجَآءَہَا الْمَخَاضُ" سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وضع حمل جنگل میں کسی بلند مقام پر ہوا۔ جب کہ مریم حالتِ سفر میں تھیں اور وضع حمل کی تمام وہ تکالیف آپ پر طاری ہوئیں جو عام طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ گویا دوسرا ثبوت اس امر کا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت اسی طرح ہوئی جس طرح عام طور پر تمام بچوں کی ہوتی ہے۔ پھر دو آیتیں جن میں حضرت مریم کا عیسیٰ کو اپنی قوم کے پاس لانا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ اور ان میں بعض لفظ تو ضرور غور طلب ہیں۔ ہم ان کو مکرر درج کرتے ہیں۔ (سورہ مریم ۲۷ تا ۳۰)

فَاَتَتْ بِہٖ قَوْمَہَا تَحْمِلُہٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا یٰۤاُخْتَ ہٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْکِ امْرَ اَسَوْءٍ وَّ مَا کَانَتْ اُمُّکِ بَغِیًّا فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَہْدِ صَبِیًّا قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ جب مریم حضرت عیسیٰ کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا اے مریم یہ تم عجیب چیز لے کر آئی ہو حالانکہ نہ تمہارا باپ برا تھا۔ اور نہ تمہاری ماں خراب تھی۔ یہ سن کر انہوں نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھو۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارہ کا بچہ تھا۔ اس پر عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے اور میں نبی بنایا گیا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

غور طلب امر یہ ہے کہ قوم نے کیوں کہا کہ تم عجیب چیز لے کر آئی ہو۔ اور کیوں مریم کے باپ کے متعلق یہ کہا کہ وہ خراب نہ تھے اسی کے ساتھ مریم کا عیسیٰ کی طرف اشارہ کرنا اور قوم کا یہ کہنا کہ ہم بچہ سے کیا بات کریں اور پھر حضرت عیسیٰ کا گفتگو کرنا ان تمام باتوں کی کیا اصلیت ہے؟ عام طور پر ان آیات کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی مریم اس کو قوم کے پاس لے آئیں اور چونکہ مریم کی شادی کسی سے نہ ہوئی تھی۔ اس لئے ان کو بچہ پیدا ہونے پر تعجب ہوا اور انہوں نے مریم پر یہ الزام لگایا کہ تمہارے ماں باپ تو ایسے نہ تھے۔ یہ تم نے کیا حرکت کی کہ ناجائز بچہ پیدا ہوا۔ لیکن حضرت عیسیٰ نے وہیں گود یا گہوارہ سے قوم کو مخاطب کیا جو ان کا ایک معجزہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ خود انہیں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ جب اپنی قوم کے پاس لائے گئے تو بچہ نہ تھے اور نہ مریم پر لوگوں نے ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا تھا۔

وہ لوگ جو یہ بیان کرتے ہیں کہ کہ مریم ان کو بالکل حالتِ طفلی یا شیر خوارگی میں لائیں وہ ثبوت میں لفظ (تَحْمِلُهٗ) کو پیش کرتے ہیں یعنی مریم حضرت عیسیٰ کو لائیں اس حال میں کہ وہ انہیں اٹھائے ہوئے تھیں یا گود میں لئے ہوئے تھیں۔ ایسا سمجھنا غلطی ہے کیونکہ خود کلام مجید میں دوسری جگہ یہی لفظ ہے اور وہاں گود میں لینے کی معنی نہیں ہیں بلکہ کسی سواری پر لے جانے کے ہیں۔ ملاحظہ ہو (سورہ توبہ آیت ۹۳)۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ

اس لئے یہاں بھی یہ معنی ہوئے کہ مریم حضرت عیسیٰ کو سواری پر لائیں۔ علاوہ اس کے جو گفتگو حضرت عیسیٰ نے کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عیسیٰ پیغمبر ہو چکے تھے اور ان کو کتاب الٰہی مل چکی تھی۔ اور یہ امر ظاہر ہے آپ کو نبوت تیس (۳۰) سال کی عمر میں ملی ہے۔ اسی کے ساتھ قوم کا یہ کہنا کہ اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں بچہ تھا (یعنی انہوں نے لفظ (كَانَ) کا استعمال کیا ہے جس سے زمانہ ماضی ظاہر ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ فی الحال گہوارہ کے بچے ہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت عیسیٰ بچہ نہ تھے۔

اب رہا یہ امر کہ قوم کا مریم سے کہنا کہ تم عجیب چیز لائی ہو۔ اور یہ کہ تمہارے ماں باپ خراب نہ تھے سو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کہ ان پر ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اور ان کا کوئی شوہر نہ تھا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ یہودیوں کے عقائد کے خلاف تلقین کرتے تھے اس لئے انہوں نے لفظ (فَرِيًّا) استعمال کیا جس کے معنی ایسے شخص کے ہیں جو عجیب و غریب باتیں کرے یا دکھائے۔ یعنی انہوں نے کہا کہ اے مریم یہ کیسا بیٹا تم نے جنا ہے جو ہمارے معتقدات کی اس قدر توہین کرتا ہے حالانکہ تمہارے ماں باپ تو ایسے نہ تھے۔

یہ سن کر مریم نے کہا کہ اسی سے پوچھو جس پر اہلِ قوم نے کہا کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو کل گہوارہ میں کھیلتا تھا۔ اس سے مقصود گویا عیسیٰ کی توہین تھی اور ان کی ناتجربہ کاری کو ظاہر کرنا۔ اس کے جواب میں جو کچھ عیسیٰ نے کہا وہ قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ لوگوں نے مریم پر زنا کی تہمت نہیں لگائی اور نہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ نے جو کچھ جواب میں کہا ہے اس میں کہیں اپنی ماں کی برات کا ذکر نہیں ہے۔ ورنہ یہ الزام لگایا گیا ہوتا اور قوم یہ تہمت مریمؑ پر رکھتی تو اس کے متعلق بھی آپ کچھ کہتے۔ لیکن آپ نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سب کو عیسیٰ کی ولدیت کا پورا علم تھا۔ اور یوسفؑ نجار کے ساتھ مریمؑ کے منسوب ہونے کو سب جانتے تھے اس لئے وہ تہمت رکھ ہی نہیں سکتے تھے

اور اسی بناء پر حضرت عیسیٰ کو اپنی ماں کی برات اور اپنی ولادت کے متعلق کسی بیان کے پیش کرنے کی ضرورت لاحق ہی نہیں ہوئی"۔

اگرچہ عبارت بالا میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کا جواب ہم نہ دے چکے ہوں لیکن اس میں دو ایک باتیں ایسی ہیں کہ اگر ہم ان پر کچھ نہ لکھیں تو ممکن ہے کہ کچھ غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ آپ سب سے پہلے سر سید مرحوم کی تبعیت میں حرف "ف" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے ترتیب واقعات تو ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن قُربِ زمانی سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے"۔ اس سے آپ کو یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ فرشتہ کے بشارت دیتے ہی مریم صدیقہ حاملہ نہیں ہوئیں بلکہ اس کے بعد نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حاملہ ہوئیں۔ ہمارے دوست کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ اگر یہ "ف" ترتیبی و تعصبی ہے تو اس میں "قربِ زمانی" کا ہونا فرض ہے۔ علامہ رضی شرح کافیہ میں اس پر بحث کرتے ہوئے صاف لکھتے ہیں کہ

"فائے ترتیبی میں اتصالِ زمانی کا ہونا بے حد ضروری ہے"۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ

" فمعنی قولک قام زید فعمرو حصل قیا مه عمرو عقیب قیامه زید بلافصل ومعنی ضربت زیداً فعمراً وقع المضرب علی عمر وعلیب وقوعه علی زید کذالک "

ترجمہ:۔ "یعنی جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ **قامه زید فعمرو ۔ وضربت زیداً فعمراً** تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ زید کے کھڑے ہونے کے بعد ہی بلا فصل عمرو کا کھڑا ہونا حاصل ہوا۔ اسی طرح زید کے مارنے کے بعد ہی بلا فصل عمرو پر مار پڑی"۔ قبلہ! جیسے بار بار عرض کر چکا ہوں پھر عرض کرتا ہوں کہ در حقیقت آپ کو عربی سے کچھ بھی مس نہیں ہے۔ مگر آپ عربی سے واقف ہوتے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عربی میں ایک اور حرف عطف (ثُمَّ) ہے جو ترتیب بالتراخی کے لئے مخصوص ہے۔ پس اگر قربِ زمانی کا لحاظ نہ ہوتا تو بجائے "ف" کے ہر جملہ کے شروع میں "ثُمَّ" لانا واجب تھا اور آیاتِ زیر بحث کی صورت یوں ہو جاتی کہ (سورہ مریم آیت ۲۲)

ثُمَّ فَحَمَلَتْهُ ثُمَّ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا الخ

اب دوسرا امر جس پر بحث کرنا باقی ہے وہ لفظ " كَانَ " ہے جس کے متعلق ہمارے محترم فرماتے ہیں کہ "انہوں نے لفظ " كَانَ " استعمال کیا ہے جس سے زمانہ ماضی ظاہر ہوتا ہے نہ یہ کہ فی الحال گہوارہ کے بچے ہیں۔ قبل اسکے کہ میں اپنے کرم فرما کو یہ بتلادوں کہ اس آیت میں لفظ " كَانَ " ماضی کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ یہ بتلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ کلامِ عرب میں اور نیز خود قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ (۱) (سورہ بقرہ آیت ۱۷۲) (اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)۔ و قولہ تعالیٰ (۲) (سورہ بقرہ آیت ۲۸۰) (وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ)۔ و قولہ تعالیٰ (۳) **لمن کان له قلب ۔ وغیرہ ذالک**۔ اب اگر ان آیات میں (كَانَ) کا ترجمہ

بصیغہ ماضی کیا جائے تو ان کے ترجمے بالترتیب یوں ہوں گے (۱) خدا غفور ور حیم تھا (۲) اگر ایک شخص تنگی میں تھا تو کشائش (کشادگی) تک اس کو فرصت دینی چاہیے۔ (۳) سوچنے کی جگہ ہے واسطے اس کے جس کے اندر دل تھا۔ دیکھئے (کَانَ) کا ترجمہ ماضی میں کرنے سے قرآن مجید کے مطالب کچھ سے کچھ ہو گئے۔ نہیں جناب بلکہ مضحکہ خیز بن گئے۔ پس آیات بالا میں لفظ (کَانَ) کا صحیح ترجمہ "ہے" ہے۔ "(۱) خدا غفور ور حیم ہے۔ (۲) ایک شخص تنگی میں ہے تو کشائش تک اس کو فرصت دینی چاہیے۔ (۳) سوچنے کی جگہ ہے واسطے اس کے جس کے اندر دل ہے"۔ بعینہ یہی حال ہے (سورہ مریم ۲۹ آیت) (**مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا**) کا۔ اگر اس آیت میں (کَانَ) کا ترجمہ "تھا" سے کریں تو ایک احمقانہ جملہ بنتا ہے۔ مثلاً ایک شخص آکر زید سے یہ کہتا ہے کہ عمرو سے جا کر پوچھو۔ زید کہتا ہے کہ میں کیوں کر عمرو سے پوچھوں"۔ وہ تو گہوارہ میں بچہ تھا"۔ اب وہ شخص زید کو کیا جواب دے گا۔ آخر یہی نا کہ تو بڑا احمق ہے۔ عمرو جب بچہ تھا تب تھا اب تو وہ بچہ نہیں ہے۔

اب میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ " کَانَ " کیا ہے اور کتنے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور آیت زیر بحث میں اس کی کیا حیثیت ہے۔ (کَانَ) افعال ناقصہ میں سے ایک فعل ہے جو اپنے اسم کی خبر کو زمانہ ماضی میں ثابت کرتا ہے۔ یہ خبر کبھی دائمی ہوتی ہے اور کبھی غیر دائمی۔ اور کبھی صرف فاعل پر تمام ہوتا ہے اس صورت میں اس کو تامہ (تمام) کہتے ہیں۔ اور کبھی زمانہ ہوتا ہے بقول شاعر **! سراة بنی ابی بکر تساطی۔ علی کان الموسومته العراب** ۔ علامہ رضی نے (کَانَ) زائدو کے لئے اسی آیت میں زیر بحث (**مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا**) کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔ اور میرے نزدیک بھی اس آیت میں لفظ (کَانَ) زائد ہے جو صرف تاکید کے لئے آیا ہے۔

ہمارے دوست نے عبارتِ بالا میں بار بار اس کا اعادہ کیا ہے کہ " سو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ ان پر ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا گیا"۔ لیکن اس سے قبل یہ لکھ چکے ہیں کہ

" بعض یہودی آپ پر زنا کی تہمت رکھتے تھے۔۔۔ بلکہ ایک اور شخص (پنتھرا تالی) کے ساتھ منسوب کی تھی"۔

(تفسیر القرآن)

اب نہ معلوم آپ کے ان متضاد اقوال میں سے کس کو صحیح تسلیم کریں۔

اسلام اور ولادتِ مسیح کا مسئلہ

تقدس مآب جناب امیر جماعت احمدیہ لاہور جن کی پیروی میں حضرت نیازؔ صاحب قرآن شریف کی کھلی تعلیم سے سراسر بے نیاز ہو گئے ہیں اپنے اُردو ترجمہ قرآن یعنی **"بیان القرآن کا فائدہ نمبر ۴۳"** میں فرماتے ہیں کہ

"عیسائی حضرت مسیح کو بن باپ مانتے ہیں اور مسلمان بھی عموماً ایسا ہی مانتے ہیں۔۔۔۔ اگر فی الواقع حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے تو اس سے مسلمانوں کے عقیدہ میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا کیونکہ ان کو بن باپ پیدا شدہ ماننا ان کے عقائد میں داخل نہیں۔ لیکن عیسائیت کی بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے کہ اگر یہ ثابت نہ ہو سکے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت مسیح کا بن باپ پیدا نہ ہونا عیسائیت کو بیخ و بن (جڑ) سے اکھاڑ دیتا ہے اور اسلام کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ ایک مسلمان حضرت مسیح کی نبوت کا اس صورت میں بھی قائل ہے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے ہوں اور اس سورت میں بھی کہ بن باپ پیدا نہ ہوئے ہوں۔ حضرت عیسیٰ کو باپ والا یا بن باپ ماننے سے ہمارے دینی اعتقادات یا ہمارے عمل پر قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا"۔

(بیان القرآن کا فائدہ صفحہ ۱۴۔۳۱۳)

دائرہ اسلام سے خارج

تقدس مآب اور آپ کے ہم مشربوں کو تو عیسائیت سے یہاں تک ضد ہے کہ اسے بیخ و بن سے اکھاڑنے کی دھن میں اسلام پر بھی ہاتھ صاف کئے دیتے ہیں اور نیچری اسلام کی حمایت کا یہاں تک پاس ہے کہ بنا بر فتویٰ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی دائرہ اسلام سے بھی خارج ہونے کو تیار ہیں۔ سنئے وہ فرماتے ہیں کہ

"جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہے۔ ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے"۔

اس سے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جس قسم کے اسلام کی حمایت یا اسلام کی جس قسم کی حمایت آپ کرنا چاہتے ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہونا اس کے لئے ضروری شرط ہے۔

اب آیئے کہ میں آپ کو آپ کے امام الامام حضرت مرزا غلام احمد صاحب غفر اللہ ذنوبہ کا عقیدہ اس بارے میں سناؤں۔ **(تشحیذ الاذہان جلد دہم)** نمبر اول مجریہ جنوری ۱۹۱۵ء میں ایک مسلمان کے اس اعتراض کے جواب میں جو **"ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۳"** پر کیا ہے اس کے ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں کہ

"میں نے صفحہ ۳۰۳ بغور دیکھا ہے اس میں مطلقاً یہ الفاظ نہیں جو اس سے دیانت دار مفتی نے نقل کئے ہیں البتہ یہ الفاظ ہیں (کیونکہ حضرت مسیح بن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس (۲۲) برس کی مدت تک نجاری کا کام کرتے رہے)"۔

اس عبارت میں باپ کا لفظ بطور مجاز عرف عام استعمال ہوا ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے مسیح کا بے باپ پیدا ہونا اپنے عقائد میں لکھا ہے۔ پس وہ محکم ہے اور جو اس کے خلاف کہیں سے اشارہ ملے۔وہ متشابہ کے حکم میں ہے اور اہلِ حق کا یہ قاعدہ ہے کہ مشابہ کو حکم کے تابع کرتے ہیں ہاں جن کے دلوں میں زیغ ہے وہ متشابہ کو اڑا لیتے ہیں۔اور محکم کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَأْوِيْلِهٖ (سورہ آل عمران ۷) اب حضرت مسیح موعود کا محکم بیان پڑھئے جو **(مواہب الرحمٰن صفحہ ۷۰)** سے نقل کیا جاتا ہے۔

ومن عقائد نان عیسیٰ ویحییٰ قد ولد علی طریق خرق العادت۔ ''اور ہمارے عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ عیسیٰ ویحییٰ خرق العادت طور پر پیدا ہوئے''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔

فادل مافعل لھذہ الارادۃ ھو خلق عیسیٰ من غیر اب بقدرۃ الجرۃ "پس پہلا کام جو اللہ نے اس ارادہ کے لئے کیا ہے وہ یہ ہے کہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے اپنی یکتا قدرت سے پیدا کیا۔" پھر لکھتے ہیں:

وکون عیسیٰ من غیراب وبروالد ولیل علیٰ ماقرپالدلالتہ القاطعتہً "اور عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا نشان ہے اس پر جو دلالت فاطعہ سے گذرا"۔ پھر فرماتے ہیں۔

"کان تولد یحییٰ من دون ممن قویٰ البشریہ وکذالک تولد عیسیٰ من دون لاًب یحییٰ یدون "قویٰ بشریہ کے مس کے پیدا ہوئے اور اسی طرح عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

پھر تنبیہ کی ہے:

یقولون ان عیسیٰ تولد من نطفتہ من یوسف ابیہ ولا یفمون امقیفۃ من الحھلات "کہتے ہیں کہ عیسیٰ یوسف اپنے سے باپ سے پیدا ہوا اور حقیقت کو جہالت سے نہیں سمجھتے ہیں (کیا اس فقرہ کو پڑھ کر بھی یہ خیال دل میں رہ سکتا ہے کہ جہاں حضور نے اس کتاب کی تحریر سے دس بارہ سال قبل فرمایا کہ اپنے باپ یوسف وہاں باپ سے یہ مراد ہے کہ عیسیٰ یوسف کے نطفہ سے تھے اور باپ نہیں تھے) پھر اخیر میں بڑے زور سے بیان کیا ہے۔

"اقانحن فنومن بکمال قدعو اللہ الاعلیٰ۔۔۔۔۔ فای عجب یاخذ کمہ من خلق عیسیٰ یا فتیان۔ "ہم اللہ کی کمال قدرت پر ایمان لاتے ہیں یعنی عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا کیا۔ پس عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے سے تمہیں اے جوانو کیا تعجب ہے ؟ پھر عیسیٰ کا باپ ماننے والوں سے سخت بیزاری کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"والذین یحکرون ھا فما قدر واللہ حق قدرہ "جو لوگ اس کے بے باپ پیدائش سے انکار کرتے ہیں انہوں نے اللہ کے قدر کو جیسا کہ اس کا حق ہے نہیں جانا۔"

یہ عربی عبارت ہے اب میں الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء سے مفصلہ ذیل الفاظ آپ کے نقل کرتا ہوں

"ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح بن باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہے ایسے لوگوں کا خدا مردہ خدا ہے ایسے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کر سکتا ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں"۔

(تشحیذ الاذہان)

یہ فتویٰ ہے ان کے حق میں جو مسیح کی بن باپ پیدائش کے منکر ہیں۔ بتایئے اب اس کے مطابق آپ دائرہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں یا عیسائیت بیخ و بن سے اکھڑتی ہے۔

حصہ دوم

ورافعک الیَ

حضرت نیازؔ اس مضمون کے دوسرے حصے میں حضرت عیسیٰ کی وفات یا مصلوب ہونے پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :

"جس طرح حضرت عیسیٰ کی ولادت کا مسئلہ اہم ہے اسی طرح ان کی وفات یا مصلوب ہونے کا بھی واقعہ بہت غور طلب ہے۔

اس مسئلہ میں یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے خیالات مختلف ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صلیب پر چڑھا کر قتل کئے گئے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ وہ مصلوب ہونے کے بعد پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے۔ بلکہ کوئی اور شخص ان کی جگہ مصلوب ہوا لیکن آسمان پر چلے جانے کے یہ بھی قائل ہیں۔ کلام مجید کی جن آیتوں سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے یہ ہیں:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (سورہ آل عمران ۵۵)

ترجمہ:۔ "جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں بیشک تجھے مارنے والا ہوں۔ اور اٹھانے والا ہوں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تجھے ان سے جو کافر ہوئے"۔

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًۢا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا (سورہ نسا آیت ۱۵۷ تا ۱۵۸)

ترجمہ:۔ "اور اللہ نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر بہ سبب ان کے یہ کہنے کے ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے اللہ کے رسول کو اور انہوں نے نہیں قتل کیا اس کو نہ صلیب دی اس کو۔ لیکن ان کو اس کا دھوکا ہوا اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ بیشک شک میں ہیں ان کا علم جو کچھ ہے صرف ظن و قیاس ہے اور یقیناً مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اٹھا لیا اس کو اپنی طرف اور اللہ غالب ہے حکمت والا"۔

سب سے پہلے ہم آپ کے واقعہ صلیب کو لیتے ہیں۔ جس کا ذکر نہایت صراحت کے ساتھ (سورہ نساء) میں آیا ہے۔ (سورہ نساء) کی ان آیتوں میں ذکر ہے یہود کا جو کہتے تھے کہ ہم نے مسیح کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر ڈالا۔

کلامِ مجید میں اس کا صاف انکار کیا گیا ہے کہ نہ انہوں نے مسیح کو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ لیکن بحث طلب الفاظ شبہ لہم کے ہیں۔ جس سے بعض نے یہ استدلال (ثبوت، دلیل) کیا ہے کہ کوئی دوسرا شخص مسیح کی صورت میں تبدیل ہو گیا تھا اور اسی کو سولی پر چڑھایا گیا۔ لیکن ان الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا نہایت ناروا جسارت ہے۔ کلامِ مجید کے الفاظ کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہودی مسیح کی موت یا ان کے قتل کئے جانے کے مسئلہ میں دھوکے میں مبتلا ہو گئے، یعنی وہ ہلاک ہوئے نہیں اور انہیں مردہ سمجھ لیا گیا۔ عربی زبان میں یہ لفظ کثرت سے التباس یا دھوکا کے معنی میں مستعمل ہے چنانچہ عام طور پر جب کسی شخص کو کسی بات میں دھوکا ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ شبه عليه الامر (فلاں امر میں اس کو التباس یا دھوکا ہو گیا) اس لئے اس کے یہ معنی لینا کہ کوئی اور شخص مسیح کی شبیہ بن گیا تھا درست نہیں ہو سکتا۔

اب رہا یہ امر کہ اگر وہ صلیب پر چڑھائے گئے تھے تو کلامِ مجید میں اس کی نفی (مَا صَلَبُوْهُ) کہہ کر کی گئی ہے۔ اس کا جواب نہایت آسان ہے قرآن پاک میں قتل و صلیب دونوں کی نفی ساتھ ساتھ کی گئی ہے اور یوں ارشاد ہوا ہے (مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ) جس کے صاف ظاہر ہے کہ (مَا صَلَبُوْهُ) کا مفہوم بھی وہی ہے جو (مَا قَتَلُوْهُ) کا ہے، یعنی ان کو صلیب پر چڑھانے کے بعد جو اصل مقصود تھا حاصل نہیں ہوا۔ اور وہ ہلاک نہیں ہوئے۔ اس لئے جب صلیب دینے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو یہ کہنا عام محاورہ کے بالکل مطابق ہے کہ انہیں صلیب بھی نہیں دی گئی۔ جس کی تصدیق (شُبِّهَ لَهُمْ) سے اور زیادہ ہوتی ہے۔ اور (شُبِّهَ لَهُمْ) کا مفہوم جو ہم نے بیان کیا آگے کے الفاظ (مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ) سے اور زیادہ موثق ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد سوال ہے ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا اور جس کے ثبوت میں (رَافِعُكَ اِلَيَّ) اور (رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ) کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں رفع (اٹھانے) سے مراد رفع جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں ہے بلکہ رفعت مرتبت مراد ہے۔ جیسا کہ مفردات امام راغب و تفسیر کبیر میں صراحتاً مذکور ہے۔ عربی میں رفع کے معنی رفع قدر کے بھی آتے ہیں اور رفیع اس شخص کہتے ہیں جو معزز و بلند مرتبت والا ہو۔

اس خیال کی مزید تقویت (سورہ آل عمران کی آیت ۵۵) سے بھی ہوتی ہے جہاں (رَافِعُكَ اِلَيَّ) کے بعد حرفِ عطف کے ذریعہ سے اس فقرہ کو بھی ملا لیا گیا ہے: وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہا جاتا ہے کہ جب مسیح صلیب پر چڑھائے گئے تو انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا اور ان کی شبیہ صلیب پر قائم کر دی گئی۔ بعض کا خیال ہے کہ صلیب تو انہیں کو دی گئی تھی لیکن وہ صلیب سے مردہ سمجھ کر اتارے گئے تو خدا نے انہیں اُوپر اٹھالیا۔ الغرض آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ صلیب ہی کے واقعہ سے متعلق ظاہر کیا جاتا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں صراحتہ (اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ) کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رفع آسمان کا واقعہ آپ کی وفات کے بعد ہوا ہے۔ اور آپ کی وفات صلیب پر ہوئی نہیں جیسا کہ ہم ابھی کلامِ مجید سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس لئے انحصار فیصلہ کا اس امر پر ہوا کہ آپ کی وفات ہوئی یا نہیں۔ یعنی آپ نے عمر طبعی کو پہنچ کر انتقال کیا یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور مفہوم رفع کی بھی وضاحت آسانی سے ہو جائے گی۔

لفظ متوفی کا مصدر توفی ہے اور جو مفسرین حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے قائل ہیں انہوں نے توفی کے معنی استکمال یا وفائی عہد کے لئے ہیں یعنی خدا نے عیسیٰ سے کہا کہ میں تجھ سے وفائی عہد کرنے والا ہوں۔ ہر چند توفی کے یہ معنی بھی آتے ہیں، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ توفی کے معنی مارنے کے نہ لئے جائیں جبکہ توفاہ اللہ کے معنی اماتہ اللہ نے موت طاری کی کے بھی آتے ہیں۔ امام بخاری نے بھی ابن عباس کی روایت سے (مُتَوَفِّیْکَ) کے معنی ممیتک (تجھ پر موت طاری کرنے والے) ظاہر کئے ہیں خود کلام مجید بھی اور مقامات پر لفظ توفی مارنے کے معنی میں آیا ہے (ملاحظہ سورہ نسا آیت ۹۷)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ الخ

(سورہ انعام آیت ۶۰) وَ ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ۔ الخ

علاوہ اس کے یوں بھی جب کلام مجید سے نہایت صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی موت سے مرے اور وہ عمر طبعی کو پہنچے تو وہ (مُتَوَفِّیْکَ) کے معنی سوائے (ممیتک) کے کوئی اور اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

یوں تو کلام مجید کی مختلف آیتوں سے حضرت عیسیٰ کی وفات اور ان کی صلیبی موت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف دو آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں نہایت صراحت کے ساتھ اس کا امر کا اظہار ہے اور جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷)

وَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۘ بِحَقٍّ ؕ اِنْ کُنْتُ

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: ”۔جب کہے گا اللہ (قیامت کے دن) اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کے مجھے اور میری ماں کو خدا ٹھہراؤ علاوہ اللہ کے عیسیٰ جواب دے گا۔ پاک ہے تیری ذات کہ میں کیوں کر ایسی بات کہہ سکتا تھا جو حق نہ تھی۔ اور اگر میں نے ایسا کہا ہو گا تو تجھے خبر ہو گی کیونکہ جو میرے جی میں ہے اس کا علم تجھے ہے اور جو تیرے جی میں ہے اُسے میں نہیں جانتا تو غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا جو تو نے حکم دیا تھا، یعنی یہ کہ اللہ کی پرستش کرو جو میرا تمہارا سب کا پروردگار ہے اور اس بات پر میں ان کا گواہ تھا جب تک میں ان کے درمیان رہا پھر جب تو نے مجھ پر موت طاری کی تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز کا گواہ ہے“۔

آخیر کی آیت میں (تَوَفَّیْتَنِیْ) کے معنی سوائے مارنے کے اور کوئی لئے ہی نہیں جا سکتے، کیونکہ اگر کوئی اور معنی لئے جائیں گے تو مفہوم بالکل غلط ہو جائے گا اور یہ امر اس قدر ظاہر ہے کہ کسی مزید تصریح کی ضرورت نہیں۔

دوسری آیت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ عمر طبعی تک پہنچنے کے بعد بوڑھے ہو کر مرے یہ ہے:۔

وَ یُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا (سورہ آل عمران ۴۶)

ترجمہ: ”۔اور (مسیح) بات کرے گا گہوارہ میں اور عالمِ ضعیفی میں“۔

یہ آیت اس سلسلہ کی ہے جب فرشتے نے مریم کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی تھی۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اس قدر تندرست پیدا ہوں گے کہ گہوارہ ہی میں دوسرے توانا بچوں کی طرح باتیں کرنے لگیں گے اور ضعیفی میں پہنچنے کے بعد بھی ان کا یہی عالم رہے گا۔ اس آیت میں لفظ (كَهْلًا) سے صاف طور پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کلامِ مجید میں مسیح کی عمر طبعی تک پہنچنے کی پیش گوئی موجود ہے۔

پھر جب مسیح کا عمر طبعی تک پہنچنا اس طرح ثابت ہوتا ہے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آپ صلیب سے نہیں مرے۔ کیونکہ جس وقت آپ کو صلیب دی گئی آپ کی عمر (۳۲) سال کچھ دن کی تھی اور اس عمر کے انسان کو

(کَھْلًا)(ضعیف) نہیں کہہ سکتے۔اوراس صورت میں (مُتَوَفِّیْکَ) کے معنی وہی لئے جائیں گے جو ہم نے بیان کئے ہیں۔

بعض مفسرین نے (یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ) سے آپ کا یہ معجزہ ثابت کیا ہے کہ آپ گہوارہ ہی میں باتیں کرنے لگے اوّل تو گہوارہ یعنی عالمِ طفلی میں بچوں کا باتیں کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ بہت سے تندرست بچے شیر خوارگی ہی کے زمانہ میں بولنے لگتے ہیں اور اگر واقعی اس سے اظہار معجزہ کا ہے تو(کَھْلًا) بیکار ہو جاتا ہے اوراس کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہم صلیب دیئے جانے کے واقعہ کو مربوط صورت میں بیان کردیں تاکہ واقعات یکجائی طور پر سامنے آجائیں اور آیات قرآن کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ صلیب پر چڑھانا یہ معنی رکھتا تھا کہ انسان یقیناً اور فوراً مر جاتا تھا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ صلیب پر چڑھائے جانے کی یہ صورت ہوا کرتی تھی کہ انسان کو ایک لمبے تختے کے ساتھ ملا کر کھڑا کرتے تھے اوراس کے ہاتھوں کو دوسرے تختہ پر جو پہلے تختہ پر متقاطع صورت میں جڑا ہوتا تھا پھیلا دیتے تھے اور کس کر باندھ دیتے تھے اسی طرح پاؤں رکھ کر تختہ کے ساتھ کیل جڑ دیتے تھے یا باندھ دیتے تھے تاکہ آدمی نیچے کو نہ سرک سکے۔ بس اس کا نام صلیب دیا جانا تھا۔ مصلوب انسان کو اسی حال میں بھوکا پیاسہ چھوڑ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دھوپ، بھوک اور ہاتھ پاؤں کے زخموں کی تکلیف سے دو چار دن میں ہلاک ہو جاتا تھا۔

جمعہ کے دن دوپہر کو مسیح صلیب پر چڑھائے گئے۔ چونکہ اسی دن شام سے یوم سبت شروع ہونے والا تھا اس لئے یہودیوں کے اعتقاد کے بموجب شام سے پہلے مسیح کو دفن بھی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ اس قدر رجلہ کوئی شخص صلیب پر نہیں مر سکتا یہ رائے قرار پائی کہ مسیح کی ٹانگیں توڑ دی جائیں تاکہ وہ جلد ہلاک ہو جائیں۔ لیکن جب آپ کو جا کر دیکھا تو آپ پر شدتِ تکلیف سے غشی کی سی حالت طاری تھی اور سب نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ آپ مر گئے ہیں۔ چنانچہ آپ کے دفن کئے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اور رات ہی کو آپ کے ایک حواری نے لے جا کر دفن کر دیا یا کسی غار میں چھپا دیا۔ اور پھر وہاں سے آپ کو نکال کر لے گیا۔ اس کے تیسرے دن بعد جب آپ کی قبر کو دیکھا گیا تو پتھر سرکا ہوا تھا اور لاش موجود نہ تھی۔ اس واقعہ پر حواریوں نے مشہور کر دیا کہ آپ آسمان پر اٹھا لئے گئے تاکہ یہودی تلاش نہ کریں اور اس کو معجزہ سمجھ کر آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ کہاں گئے۔ کب تک زندہ رہے اور کہاں مدفون ہیں۔ انجیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ معہ

حواریوں کے گلیل چلے گئے تھے۔احمدی جماعت کا بیان ہے کہ وہ وادیِ کشمیر میں آئے۔ چنانچہ سری نگر میں ان کا مزار موجود ہے جو نبی صاحب کا مزار کہلاتا ہے۔

جو واقعات انجیل کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مصلوب ہونے کی حالت میں جان نہیں دی۔ مثلاً چند گھنٹے صلیب پر رہنا جبکہ کئی دن میں معمولاً مصلوب کی جان نکلتی ہے مسیح کے ساتھ جو دو شخص اور مصلوب ہوئے تھے اور وہ بھی شام کو اتار لئے گئے تھے زندہ رہے۔ مگر خدا آپ کے جسم کو آسمان پر اٹھالیتا تو جہاں آپ غار یا قبر میں مدفون تھے وہاں کا پتھر سرکنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ خدا کو اوپر اٹھانے کے لئے پتھر ہٹانا ضروری نہ تھا۔ جب آپ واقعہ صلیب کے بعد اپنی ماں سے ملے تو جسم پر زخموں کے نشان موجود تھے۔ اور آپ بھیس بدلے ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ مصلوب ہوئے اور زندہ اتار لئے گئے اور اسی ڈر سے کہ یہودیوں کو پتہ نہ چل جائے بھیس بدل کر اپنی ماں سے ملے"۔

بحثِ مافوق کا خلاصہ

بحثِ مافوق کا خلاصہ ان تین باتوں میں ہے کہ:

(۱۔) حضرت عیسیٰ کو صلیب تو دی گئی لیکن صلیب سے نہیں مرے۔ بلکہ عمر طبعی پہنچ کر کسی نامعلوم جگہ میں فوت ہو کر مدفون ہوئے۔

(۲۔) آیات (**وَرَافِعُکَ اِلَیَّ**) اور (**رفعه الله اليه**) سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ بہ جسد عنصری آسمان پر زندہ موجود ہیں بلکہ ان سے آپ کی رفعتِ منزلت ظاہر ہوتی ہے۔

(۳۔) جو واقعات انجیل کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مصلوب ہونے کی حالت میں جان نہیں دی۔

جیسی میری عادت ہے ارادہ تھا کہ اس حصہ کا بھی فقرہ وار جواب لکھتا جاؤں، لیکن کتاب کی ضخامت کا مجھے بے حد خیال ہے۔ لہٰذا اس حصہ پر بحث کرنے کے لئے ایک نئی طرز اختیار کروں گا تاکہ حضرت نیازؔ کو فقرہ وار جواب بھی ملتا جائے اور کتاب بھی طوالت سے محفوظ رہے۔ وہ یہ کہ میں **شق نمبر ۲** کی تردید کروں گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ (ا) یا تو آپ نے اس قول سے کہ "مسیح فوت ہو چکے ہیں اور کہیں مدفون ہیں" رجوع کریں گے اور یا (ب) آپ مسیحیوں کا عقیدہ جو (**اقرب الی الصواب**) ہے اختیار کریں گے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت ہو گئے اور پھر خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر یہ جسد عنصری آسمان پر چلے گئے۔

حضرت عیسیٰ بہ جسدِ عنصری آسمان پر زندہ ہیں

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سوال ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ہے جس کے ثبوت میں (**وَرَافِعُکَ اِلَیَّ**) اور (**رفعه الله اليه**) کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں لیکن یہاں رفع (اٹھانے) سے مراد رفع جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں بلکہ رفعتِ مرتبت مراد ہے۔ جیسا کہ مفردات امام راغب اور تفسیر کبیرؔ میں بھی صراحتاً مذکور ہے۔ عربی میں رفع کے معنی رفع قدر کے بھی آتے ہیں اور رفیع اس شخص کو کہتے ہیں "جو معزز و بلند مرتبت والا ہو"۔

ہمیں پھر افسوس کہ ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت نیازؔ کی یہ کورانہ تقلید ان کے دامنِ شہرت پر ایک بدنما داغ ہو کر چمکے گی۔ آپ لکھنے کو تو سب کچھ لکھ گئے لیکن اس طرح کہ ایک جملہ بھی نہیں ایسا ملتا جس کو آپ کے قلم محت رقم کی تراوش کہہ سکیں۔ آپ کو سرسیدؔ مرحوم کی تفسیر پر یہاں تک اعتماد ہے کہ اس کے بالمقابل دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنا کفر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ سرسیدؔ مرحوم لفظ "رفع" کے معنی یہ کرتے ہیں کہ "اس سے حضرت عیسیٰ کی قدر و منزلت مراد ہے نہ یہ کہ ان کے جسم اُٹھا لینے کا"۔ اور آپ اس عبارت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ "یہاں رفع (اٹھانے) سے مراد رفع جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں ہے بلکہ رفعتِ مرتبت مراد ہے" جو سراسر غلط اور قرآن مجید کے ساتھ کھیلنا ہے۔ **"صراح"** میں جو عربی لغات میں ایک ممتاز لغت ہے "رفع" کے معنی برداشتن لکھا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے "رفع برداشتن و ہو خلاف الوضع" یعنی رفع کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں اور اس کے بالمقابل لفظ وضع ہے جس کے معنی نیچے رکھنے کے ہیں۔ **"مصباح منیر"** میں لکھا ہے کہ (**رفعته رفعاً خلاف**

خفضته)یعنی عرب جب کسی چیز کو اوپر اٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "**رفعته**"(میں نے اس کو اوپر اٹھایا)اور جب کسی چیز کو نیچے رکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "**حفضته**"(میں نے اس کو نیچے رکھا)یعنی رفع اور خفض دو متقابل الفاظ ہیں جو ایک دوسرے کے برخلاف استعمال ہوتے ہیں۔

"صراح" میں لفظ "رفع" کے نیچے ایک محاورہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "**ومن ذالک قولهم رفعته الی السلطان**" جس سے بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ جب لفظ رفع کا صلہ الیٰ اسما ہے تو اس سے مراد "رفعتِ مرتبت" ہوتی ہے۔اس محاورہ کی بنا پر حضرت عیسیٰ کے رفع جسمی سے انکار کرنا نہ صرف عربی سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے بلکہ فارسی تک نہ جاننے کا ثبوت ہے۔کیونکہ اس عربی محاورہ کے شروع میں یہ فارسی عبادت موجود ہے "ونزدیک گردانیدن کسے رابہ کسی ذالک الخ"۔یعنی رفع کے دوسرے معنی "کسی کو کسی کے قریب کرنے کے ہیں" اور اسی قبیل سے عربوں کا یہ محاورہ ہے کہ میں اس کو بادشاہ کے نزدیک لے گیا"۔اب کوئی ان مدعیان عربیت سے تو پوچھے کہ "نزدیک گردانیدن کسے رابہ کسے" کے معنی کس طرح "رفعت مرتبت" کے ہو سکتے ہیں۔قبلہ! کسی کو کسی کے نزدیک کرنے میں قرب جمی ملحوظ ہوتا ہے نہ یہ کہ کسی شخص کو گھر میں بیٹھے بٹھائے عزت ومنزلت دلانا۔پس (رفعته الی السلطان) کے یہ معنی ہیں کہ "میں اس کو بادشاہ کے پاس لے گیا" عزت اور ذلت کا اس میں کوئی لحاظ نہیں۔کیونکہ یہی محاورہ عین اس وقت بھی بولا جاتا ہے جب کسی کو شکایتاً بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں۔**"منتہی الارب"** میں اس محاورہ کے نیچے کہ "**رفعه الیٰ الحاکم**" لکھا ہے کہ "شکایت بُردپیش حاکم ونزدیک آن شد باخصم" فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی اس محاورہ کے نیچے کہ "**رفعه الیٰ الحاکم**" لکھا ہے کہ "یعنی شکایت کے لئے اس کو حاکم کے پاس لے گیا"(جزء۹)

نکتہ

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ **"صراح"** کی عبارت زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ اگر "رافع جسمی" کے ساتھ مرتبت ومنزلت کا بھی ارادہ ہو تب "رفع" کا صلہ "الی" لانا مناسب ہے کیونکہ رفعتِ منزلت رفع جسمی کی منافی نہیں۔لیکن اس صورت میں قربت کا ہونا ضروری ہے تاکہ ارادہ اعزازی پر دلالت کرے۔کیونکہ جب "رفع" کا صلہ "الی" ہے تو اکثر اس کے معنی صرف رفعِ جسمی ہی کے ہوتے ہیں چنانچہ امثلہ (مثال) ذیل اس کی شاہد ہیں۔

قال عثمان بن الهيثم حدثنا عرف عن محمد بن سيرين عن ابی هريرة قال كلنی رسول الله بحفظ زكواة رمضان فاتانی اية فجعل يحثومن الطعام فاخذته فقلت لا رفعنک عالی رسول الله فِقص الحديث فقال اذاويت الی فرشک فاقراء آيته الكرسی لن يزال من الله حافظ ولايقربک شيطان حتی تصبح وقال النبی صدقک وهو كذوب ذاک شيطان

ترجمہ:"۔عثمان بن ہیثم کہتے ہیں کہ ہم سے عوف نے حدیث بیان کی وہ محمد بن سیرین سے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ عید فطر کی نگہبانی پر مقرر کیا تھا ایک شخص آکر اس میں سے لب بھر کر لے جانے لگا میں نے اس پکڑ لیا۔پھر میں نے کہا میں تجھ کو

رسول کے پاس ضرور لے جاؤں گا اور پوری حدیث بیان کی۔ اس نے بتایا کہ جب تو اپنے بستر پر آرام کرے تو آیتہ الکرسی پڑھ لیا کر۔ ہمیشہ تیرے ہمراہ اللہ نگہبان رہے گا اور صبح تک شیطان تیرے پاس پھٹکنے نہ پائے گا۔ آنحضرت نے فرمایا میں نے سچ کہا حالانکہ وہ جھوٹا ہے وہ شخص شیطان تھا"۔ (بخاری جُزا ۲)

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں جملہ (لا رفعنک الی الرسول کی شرح میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ "ای لا ذھبن بک شکوک یقال رفعه الی الحاکم اذا حضر ہ للشکریٰ" ترجمہ:۔ "یعنی میں بالضرور تجھ کو رسول اللہ کی جناب میں تیری شرارت کے سبب لے جاوں گا اور تیری شکایت کروں گا"۔ اب ہمارے کرم فرما اور ان کے ہمنوا ذرا غور کریں کہ کیا حضرت ابوہریرہ جیسے جلیل القدر صحابی (معاذ اللہ) شیطان لعین کو عزت دلانے کی غرض سے آنحضرت کے پاس لے جانا چاہتے تھے؟

(۲۔) "**مصباح منیر**" میں لفظ "رفع" کی تحت میں لکھا ہے کہ "**رفعت المزرع الی البیرد**" جس کا ترجمہ "**صراح، منتہی الارب و منتخب اللغات**" میں یہ لکھا ہے کہ برداشتم غلہ درودہ و منجر من گا آوردم یعنی "کھیت کو کاٹ کر اور غلہ اٹھا کر خرمن گاہ میں لے آیا"۔ قاموس اور اساس البلاغہ میں بھی لکھا ہوا ہے۔

(۳۔) "**صحیح بخاری اور مسلم اور مشکوٰۃ المصابیح**" کے (باب ا لبکاء علی المیت کے صفحہ ۱۵۰ مجتبائی) میں آنحضرت کی بیٹی زینب کے فرزند ارجمند کے فوت ہونے کی حدیث میں یہ جملہ ہے کہ (**فرفع الیٰ سول اللہ الصبیتی**) ترجمہ:۔ "یعنی وہ لڑکا آپ کے پاس اٹھا کر لایا گیا"۔ قبلہ! اس محاورہ کو پڑھ کر پھر بھی آپ رفع جسمی کے قائل نہ ہوں گے؟

(۴۔) "**مجمع البحار جلد ثانی**" میں لفظ رفع کے نیچے لکھا ہے کہ (**فرفعه الی یدہ ای رفعه الی غایته طول یدہ لیر اہ الناس فیفطرون**) ترجمہ:۔ "یعنی آنحضرت نے پیالہ کو درست مبارک کی لمبائی کے برابر اوپر اٹھایا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں اور روزہ افطار کریں"۔

غرض یہ کہ ہمیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں اس قسم کی مثالیں معلوم ہیں جن سے بہ صراحت ظاہر ہوتا ہے کہ جب رفع کا صلہ الی آتا ہے تو اس کے معنی شئے مذکورہ کو بدخول الی کی طرف اٹھانے کے کہتے ہیں۔ چونکہ ہمارے محترم عربیت کے مدعی نہیں اس لئے ان چند مثالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

بہر کیف (ہر حالت میں، ہر صورت میں) نعت میں "رفع" کے حقیقی اور وضعی معنی "اوپر کو اٹھانے" کے ہیں۔ پس جہاں کہیں رفع کا مفعول کوئی مادی ہو وہاں۔ اس سے مراد نیچے سے اوپر کو حرکت کرنا ہوگا اور اگر اس کا متعلق اور معمول کوئی غیر مادی شئے ہو تو اقتضائے (تقاضا) مقام پر محمول (اُٹھایا گیا) ہوگا۔ چنانچہ "**مصباح منیر**" میں لکھا ہے کہ (**فالرفع الاجسام حقیقیة فی الحرکته و الانتقال وفی المعانی علیٰ ما یقتضیه المقام**) ترجمہ:۔ "یعنی رفع کا تعلق جب اجسام کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے حقیقی معنی حرکت اور انتقال کے ہوتے ہیں اور جب معانی کے متعلق ہوتا ہے تو جیسا موقع ہو ویسی ہی مراد ہوتی ہے"۔

"**مصباح**" کی اِس تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ "رفع" کے حقیقی وضعی معنی "انتقال اور حرکت" کے ہوتے ہیں اور امثلاءمافوق سے ثابت ہو گیا ہے کہ "رفع" کا صلہ جب "الی" آئے تو اس کے معنی شئ مذکور کے مدخول الی کی طرف مرفوع (اُٹھایا گیا، بلند کیا گیا) ہونے کے ہوتے ہیں۔ پس (**وَرَافِعُکَ اِلَیَّ**) کے معنی بجز اس اور کچھ نہیں کہ حضرت عیسیٰ بہ جسد عنصری آسمان پر زندہ اور موجود ہیں۔

دوسرا نکتہ

چونکہ ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس بحث کا کامل طور پر تصفیہ (فیصلہ) کریں لہٰذا یہاں اوپر ایک اور نکتہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ کنایہ (اشارہ) اور مجاز میں یہ فرق ہے کہ کنایات میں اصلی اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور مجازات میں نہیں چنانچہ مختصر معانی میں جو اس فن میں ایک اعلیٰ پایہ کی درسی کتاب ہے لکھا ہے کہ :-

"الکنایة فی الغة مصدر کنیت بکذاعن کذا وکنوت اذا ترکت التصریح به وفی الاصطلاح لفظ ارید به لازم معناً ومع جواز اراحقه محه ای اراوة ذالک المعنی مع لازمه کلفظ طویل النجاد المرادبه طویل بل القامة مع جواذان یراد حقیقته طول النجاد ایضاً فظهر انها تخالف المجاذ من جهته ارادة المعنی الحقیقی مع ارادة لازمه کا رادته طول النجار مع ارادة طول القامة بخلاف المازفانه لایجرزفیه ارادة المعنی الحقیقی للزوم القرینة المافعته عن ارادة المعنی الحقیقی

ترجمہ :- "یعنی کنایہ معتل یائی یا وادی ہے اور اس کے لغوی معنی مُبہم بات کہنے کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے معنی کا لازم مراد ہو اور اس کے ساتھ اس لفظ کے اصلی معنی کا ارادہ بھی جائز ہو۔ مثلاً طویل النجار۔ یہ ایک محاورہ ہے جس کے لازمی معنی "دراز قامت" کے ہیں لیکن اس کے ساتھ اس کے حقیقی بمعنی (لمبے پرتلہ والا) مراد لینا بھی جائز ہے۔ پس ظاہر ہے کہ کنایہ اور مجاز میں یہی فرق ہے کہ کنایہ میں لازمی اور حقیقی دونوں معنی جمع ہو سکتے ہیں۔ اور مجاز حقیقی معنی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ہے"۔

پس (رَافِعُکَ اِلَیَّ) کے معنی کنائی (بشرطیکہ ایسا ہی ہو) بھی ہمارے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ہے کیونکہ یہ دونو (معنی ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ رفعِ جسمی کے ساتھ رفعتِ مرتبت کا ہونا ایک نبیِ برحق کے لئے نور علی نور ہے۔ جیسا کہ آیت ذیل میں بھی یہ دونو باتیں ثابت ہیں کہ "رفع ابویه علیٰ العرش" یعنی یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر چڑھا کر بٹھایا"۔ اس میں رفعِ جسمی کے ساتھ عزت واکرام بھی ملحوظ ہے۔

جاہلوں سے کچھ بعید نہیں اگر یہ کہیں کہ ہم تو اس کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ ہم ان کو بھی یہ بتلائیں کہ آیت (وَرَافِعُکَ اِلَیَّ) کے مجازی معنی بھی مراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ مجاز کے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی معنی کے لینے سے اگر قباحت لازم آجائے یا کوئی قرینہ ایسا ہو کہ حقیقی معنی لینے سے منع کریں۔ چنانچہ مختصر معانی میں لکھا ہے کہ :۔

المجاز مفرد مرکب اما المفرد فھوا الکلمۃ المستعملہ فی غیر ماوضعت لدفی اصطلاح بہ التخاطب علی وجہ یصح مع قرینۃ عدم ارادتہ ایٰ ارادۃ الموضوع لہ

ترجمہ :۔ ''یعنی "مجاز وہ کلمہ ہے جو اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی قائم ہو جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ کلمہ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں"۔

چونکہ آیت زیر بحث کے حقیقی معنی لینے میں نہ تو کوئی قباحت لازم آتی ہے اور نہ اس میں کوئی قرینہ اس قسم کا ہے جو حقیقی معنی کے اختیار کرنے کو روکے لہٰذا آیتِ مافوق کے مجاز معنی لینا سراسر باطل ہے۔

اسی اصل زرین (بیش قیمت) کو مد نظر رکھ کر قرآن مجید نے جہاں کہیں لفظ "رفع" کو بہ معنائے "رفعتِ مرتبت" استعمال کیا ہے ان کل مقامات میں کوئی نہ کوئی قرینہ اس قسم کا قائم کیا ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں معنائے موضوع لہ (حقیقی) مراد نہیں ہے مثلاً :۔

وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ (سورہ مریم آیت ۵۷)۔ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۳)۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (سورہ انعام آیت ۸۳)۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (سورہ مریم آیت ۱۶۵)۔ وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (سورہ الزخرف آیت ۳۲) ان تمام آیات میں الفاظ "مَكَانًا عَلِيًّا" و "دَرَجٰتٍ" قرینے ہیں اس بات کے کہ لفظ "رَفَعَ" اپنے اصلی معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

امام راغبؔ اور امام رازیؔ پر تہمت

ہمارے کرم فرما کا یہ لکھنا کہ "یہاں رَفَعَ (اٹھانا) سے مراد رفعِ جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں بلکہ رفعتِ مرتبت مراد ہے۔ جیسا کہ مفرودات امام راغبؔ اور تفسیر کبیرؔ میں بھی صراحتاً مذکور ہے"۔ امام راغب اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان باندھنا اور سفید چشمی کی تہمت لگانا ہے۔ کسی امر کی تحقیق کے لئے قابلِ وثوق اشخاص کا صرف نام لینا کافی نہیں ہو سکتا ہے تاوقتیکہ ان کے تحریری بیان بھی پیش نہ کئے جائیں۔ چونکہ ان کی کتابیں آپ کی نظر سے نہیں گذری ہیں اس لئے سماعی طور پر آپ نے ان کا نام لکھ دیا۔ لیجئے آپ کی خاطر ہم ان دونو کتابوں کی عبارات نقل کئے دیتے ہیں۔

(۱۔) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تحت میں لکھتے ہیں کہ

" وقد ثبت بالدلیل انه حی ورد الخبر عن النبی انہ سینزل و یقتل الدجال ثم انه تعالیٰ یتوفاہ بعد ذالک "

ترجمہ :۔ "یعنی بیشک یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں اور اس بارے میں نبی سے حدیث بھی آچکی ہے کہ آپ اُتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دے گا" **(تفسیر کبیر جلد دوم)**۔

(۲۔) پھر اسی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

" روی انه علیه الصلواة والسلام لما اظهر هذاالمعجزات العجیبة قصد الیهود قتله فخلصه الله منهم حدیث رفعه الی السماء "

ترجمہ :۔ "یعنی مروی ہے کہ جب حضرت علیہ الصلواۃ السلام نے یہ عجیب معجزات دکھلائے تو یہودیوں نے آپ کے قتل کا قصد کیا اور سو خدائے تعالیٰ نے آپ کو ان کے ہاتھوں سے اس طرح خلاصی بخشی کہ آسمان پر اٹھالیا"۔

(۳۔) حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت عیسیٰ کے رفع جسم پر یہاں تک وثوق ہے کہ آپ نے اس اعتراض کا بھی جواب دیا ہے جو اس پر وارد ہوتا ہے کہ رفع جسمانی عندالعقل متعذر ہے۔ چنانچہ آپ اس آیت کی تفسیر میں کہ

"بل رافعه الله الیه وکان الله عزیزاً حکیما لکھتے ہیں کہ" والمراد من العزة کمال القدرة و من الحلمته العلم فنبه ہذا علیٰ ان رفع عیسیٰ من الدنیاالی السموات وان کان المتعذرعلیٰ البشر الکته لاتعذر فیه بالنسبته الی قدرتی ولی حکمتی وهو نظیر قوله تعالیٰ سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً فان الاسراء وان کان متعذراً بالنسبته الی قدرة محمد الا انه سهل بالنسبته الی قدرة الحو سجان"

ترجمہ :۔ "یعنی اس آیت میں عزت سے کمال قدرت حکمت سے کمال علم مراد ہے۔ پس اس آیت سے خدا نے اس پر آگاہ کیا کہ حضرت عیسیٰ کا آسمان پر اٹھایا جانا اگرچہ انسان کی طاقت سے باہر ہے لیکن میری قدرت اور حکمت کی نسبت کوئی چیز نہیں ہے۔ اور یہ آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ اس کی نظیر ہے کہ اسراء اگرچہ آنحضرت کی قدرت کی نسبت متعذر تھا مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کے آگے بالکل سہل تھا"۔

(۴۔) پھر حضرت امام رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" ولمنا علم الله ان من الناس من یخطر بباله ان الذی رفعه الله هو روحه لا جسده ذکر هذا الکلام لیدل علیٰ انه علیه الصلواة والسلام رفع بتمامه الیٰ السماء بروحه وجسده"

(تفسیر کبیر جلد دوم تفسیر خازن)

ترجمہ:۔ ''یعنی چونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ کسی کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی روح کو اٹھایا تھا۔ اس لئے اللہ نے متوفیک فرمایا تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتمامہ مع جسم اور روح کے آسمان پر اٹھالیا''۔

میری دانست میں تفسیر کبیرؔ کے حوالجات مافوق ایک باحیا شخص کے لئے اس بات کو باور کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ ہر گز حضرت عیسیٰ کے رفع جسمی کے منکر نہیں ہیں۔ اب ہم مفردات امام راغبؔ رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ امام صاحب لفظ "رفع" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" الرفع يقال تارة فى الاجسام الموطرعته اذا عليتها عن مقرها۔۔۔۔وتارة البناء اذا طولته ۔۔۔۔ وتارة فى الذكر اذا فوهته ۔۔۔۔۔ وتارة فى المنزلته اذا شهر فتها"

ترجمہ:۔ ''یعنی لفظ رفع کا استعمال چار طرح پر ہے کبھی ان اجسام پر جو ایک خاص جگہ پر رکھے گئے ہیں۔ جب ان کو ان کی جائے قرار سے اُونچا کر دیا جائے۔ اور کبھی عمارت پر جب اس کو بلند کر دیا جائے۔ اور کبھی ذکر پر جب اس کو شہرت دی جائے۔ اور مرتبہ پر جب اسے شرف یا بزرگی دی جائے''۔

اس اقتباس اور اس کے ترجمہ کو دیکھ کر ہمارے کرم فرما دل ہی دل میں ہماری سراغ رسانی کے قائل ضرور ہو گئے ہوں گے! کیونکہ اقتباس مافوق اس کے ترجمہ کے ساتھ مولوی محمد علیؔ صاحب کے اس رسالہ[6] سے لیا گیا ہے جس کا نام لے لینا ہمارے کرم فرما کو منظور نہیں ہے (خدا جانے کیوں؟)۔ جب ہم قارئین کرام سے انصاف چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ عبارتِ مافوق کے کس جملہ یا لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں رفع سے مراد رفع جسم نہیں بلکہ ''رفعتِ مرتبت'' ہے۔ امام راغبؔ بھی وہی کہہ رہے ہیں جو ہم کہہ چکے ہیں کہ لفظ رفع کے حقیقی معنی "اوپر اٹھانے کے" ہیں اور باقی معانی میں حسب القرآن مستعمل ہے جس سے ہمیں ہر گز انکار نہیں ہے۔

بحثِ مافوق کا نتیجہ

یہاں تک تو لفظ رفع پر بحث ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آیات (**رافعک الی**) اور (**رفعه الله اليه**) میں لفظ رفع اپنے حقیقی معنی نہ معنائے بالا برداشتن میں مستعمل ہے۔ نیز مزید انکشاف کے لئے ہم نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ آیاتِ مافوق میں رفع کے معنی نہ تو کنائی کے لئے جا سکتے ہیں اور نہ مجازی کے۔ اور نہ امام فخر الدین رازیؔ اور نہ امام راغبؔ حضرت عیسیٰ کی موت کے قائل ہیں۔ اب حضرت نیازؔ کے لئے بجز (بغیر) اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ ذیل کے دو امروں میں سے ایک کو اختیار کریں یعنی یا تو آپ (۱) یہ تسلیم کریں کہ حضرت عیسیٰ مطلق فوت ہی نہیں ہوئے (جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے) اور بہ جسدِ عنصری زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور یا (۲) یہ تسلیم کریں کہ حضرت عیسیٰ عارضی طور پر فوت ہوئے (جیسا کہ ہم مسیحیوں کا عقیدہ ہے) اور پھر خدا نے آپ کو زندہ کر کے بہ جسد عنصری آسمان پر اٹھالیا۔ لیکن حضرت نیازؔ امر اول کو تسلیم

---

[6] دیکھو رسالہ عیسویت کا آخری سہارا" صفحہ ۲۲۔ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب (سلطان)

نہیں کر سکتے کیونکہ آپ لفظ "**متوفیک**" کو بہ معنائے "**ممیتک**" قبول کر چکے ہیں اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فی الحقیقت آیت "**مشار الیھا**" میں "**متوفیک**" بہ معنائے "**ممیتک**" ہیں۔ اس لئے اس پر بحث کرنا ہم نے تحصیل حاصل سمجھا۔ لیکن چونکہ ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بہ جسدِ عنصری آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں لہٰذا حضرت نیاز کو مجبوراً دوسرا امر اختیار کرنا پڑے گا تاکہ "**متوفیک**" اور "**رافعک الی**" میں تعارض (آپس میں جھگڑنا، برابری کرنا) واقع نہ ہو جائے۔ چنانچہ یہی عین صواب اور قرآن کریم و انجیلِ جلیل کے مطابق ہے۔ قرآنِ پاک سے تو ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں صرف انجیل جلیل سے اس پر بحث کرنا باقی ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

انجیل جلیل اور حضرت عیسیٰ کی موت ورفع

حضرت نیازؔ تحریر فرماتے ہیں کہ

"جو واقعات انجیل کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مصلوب ہونے کی حالت میں جان نہیں دی"۔

ہر چند (کتنا ہی) ہمارے کرم فرما کی غلطی اور انجیل نہ واقفیت کے اظہار کے لئے صرف یہی ایک جملہ کافی تھا کہ "سر جھکا کر جان دی" (یوحنا ۱۹: ۳۰)۔ لیکن از بسکہ آپ اپنے کتبین (سر سیدؔ مرحوم اور مولوی محمدؔ صاحب) کے اقتدار پر "واقعات" پر بازی لگا رہے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مسیح کے صلیبی "واقعات" کو اناجیل کے الفاظ میں پیش کریں تاکہ قمار خانہ (جُوا کھیلنے کا مکان) تقلید میں حضرت نیازؔ کے دل ودین کا ماجرا معلوم ہو سکے۔ وہ واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ (یسوع) کا پکڑا جانا

(متی ۲۶: ۴۷تا۵۶؛ لوقا ۲۲: ۴۷تا۵۳؛ یوحنا ۱۸: ۳تا۱۱)

''وہ یہ کہی ہی رہا تھا کہ فی الفور یہوداہ جو ان بارہ (۱۲) میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سردار کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے آپہنچی۔ اور اس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ پتہ دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے۔ اسے پکڑ کر حفاظت سے لے جانا۔ وہ آکر فی الفور اس کے پاس گیا اور کہا۔ اے ربی۔ اور اس کے بوسے لئے۔ انہوں اس پر ہاتھ ڈال کر اسے پکڑ لیا۔ ان میں سے جو پاس کھڑے تھے ایک نے تلوار کھینچ کر سردار کاہن کے نوکر پر چلائی اور اس کا کان اڑا دیا۔ یسوع نے ان سے کہا۔ کیا تم تلواریں اور لاٹھیاں لے کر مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو؟ میں ہر روز تمہارے پاس ہیکل میں تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا۔ لیکن یہ اس لئے ہوا کہ نوشتے پورے ہوں۔ اس کے سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا''۔

یہودیوں کی صدر عدالت میں سیدنا عیسیٰ کے مقدمے کی پیشی

(متی ۲۶: ۵۷تا۶۸؛ لوقا ۲۲: ۶۳تا۷۱؛ یوحنا ۱۸: ۱۲تا۱۴اور ۱۹تا۲۴)

''پھر وہ یسوع کو سردار کاہن کے پاس لے گئے۔ اور سب سردار کاہن اور بزرگ اور فقیہ اس کے ہاں جمع ہو گئے۔ اور پطرس فاصلے پر اس کے پیچھے پیچھے سردار کاہن کے دیوان خانے کے اندر تک گیا۔ اور پیادوں کے ساتھ بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔ اور سردار کاہن اور سارے صدرِ عدالت والے یسوع کے مار ڈالنے کے واسطے اس کے خلاف گواہی ڈھونڈھنے لگے۔ مگر نہ پائی کیونکہ بہتیروں نے اس پر جھوٹی گواہیاں تو دیں لیکن ان کی گواہیاں متفق نہ تھیں۔ پھر بعض نے اُٹھ کر اس پر یہ جھوٹی گواہی دی کہ ہم نے اسے یہ کہتے سنا ہے کہ میں اس مقدس کو جو ہاتھ سے بنا ہے ڈھاؤں گا

اور میں تین دن میں دوسرا بناؤں گا جو ہاتھ سے نہ بنا ہو۔ لیکن اس پر بھی ان کی گواہی متفق نہ نکلی۔ پھر سردار کاہن نے بیچ میں کھڑے ہو کر یسوع سے پوچھا کہ تو کچھ جواب نہیں دیتا؟ یہ تیرے خلاف کیا گواہی دیتے ہیں؟ مگر وہ چپکا ہی رہا اور کچھ نہ جواب دیا۔ سردار کاہن نے اس سے پھر سوال کیا اور کہا۔ کیا تو اس ستودہ کا بیٹا مسیح ہے۔ یسوع نے کہا ہاں میں ہوں۔ اور تم ابنِ آدم کو قادرِ مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے۔ سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑ کے کہا اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی۔ تم نے یہ کفر سنا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ ان سب نے فتویٰ دیا کہ وہ قتل کے لائق ہے۔ تب بعض نے اس پر تھوکنے اور اس کا منہ ڈھانپنے اور اس کے مکّے مارنے اور اس سے کہنے لگے۔ نبوت کی باتیں سُنا! اور پیادوں نے اسے طمانچے مار مار کے اپنے قبضے میں لیا" (مرقس باب ۱۴: آیات ۴۳تا۶۵)۔

پنطس پیلاطُس کی کچہری میں سیدنا عیسیٰ کے مقدمے کی پیشی

(متی ۲۷: ۱تا۲اور ۱۱تا۲۶؛ لوقا ۲۳: ۱تا۲۵؛ یوحنا ۱۸: ۲۸۔۱۹: ۱۹)

"اور فی الفور صبح ہوتے ہی امامِ اعظم نے بزرگوں اور فقیہوں اور سب صدر عدالت والوں سمیت صلاح کر کے سیدنا عیسیٰ کو بندھوایا اور لے جا کر پیلاطُس کے حوالہ کیا۔ پیلاطُس نے آپ سے پوچھا "کیا تم یہودیوں کے بادشاہ ہو"؟ آپ نے جواب میں اس سے فرمایا تم خود کہتے ہو۔ اور امامِ اعظم آپ پر بہت الزام لگاتے رہے۔ پیلاطُس نے آپ سے دوبارہ سوال کر کے یہ کہا تم کچھ جواب نہیں دیتے؟ دیکھو یہ تم پر کتنی باتوں کا الزام لگاتے ہیں؟ سیدنا عیسیٰ نے پھر بھی کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ پیلاطس نے تعجب کیا"۔

"پیلاطس عید پر ایک قیدی کو جس کے لئے لوگ عرض کرتے تھے ان کی خاطر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اور برآبا نام ایک آدمی ان باغیوں کے ساتھ قید میں پڑا تھا جنہوں نے بغاوت میں خون کیا تھا۔ بھیڑ اوپر چڑھ کر اس سے عرض کرنے لگی کہ جو تمہارا دستور ہے وہ ہمارے لئے کرو۔ پیلاطُس نے انہیں یہ جواب دیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر یہودیوں کے بادشاہ کو چھوڑ دوں؟ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ امامِ اعظم نے آپ کو حسد سے میرے حوالہ کیا ہے۔ مگر امامِ اعظم نے بھیڑ کو ابھارا تا کہ پیلاطُس ان کی خاطر برآبا ہی کو چھوڑ دے۔ پیلاطُس نے دوبارہ ان سے کہا پھر جسے تم یہودیوں کا بادشاہ کہتے ہو اس سے میں کیا کروں؟ وہ پھر چلائے کہ آپ مصلوب ہوں۔ پیلاطُس نے ان سے فرمایا کیوں اُس نے کیا برائی کی ہے؟ وہ اور بھی چلائے کہ وہ مصلوب ہو۔ پیلاطُس نے لوگوں کو خوش کرنے کے ارادہ سے ان کے لئے برآبا کو چھوڑ دیا اور سیدنا عیسیٰ کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا تا کہ مصلوب کئے جائیں" (مرقس ۱۵: ۱تا۱۵)۔

رومی سپاہیوں کا سیدنا عیسیٰ کو ٹھٹھے میں اڑانا

(متی ۲۷: ۲۷تا۳۱)

"اس پر حاکم کے سپاہیوں نے سیدنا عیسیٰ کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن آپ کے گرد جمع کی اور آپ کے کپڑے اتار کر آپ کو قرمزی چوغہ پہنایا۔ اور کانٹوں کا تاج بنا کر آپ کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا آپ کے دہنے ہاتھ میں دیا آپ کے آگے گھٹنے ٹیک کر آپ کو ٹھٹھوں میں

اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب! اور آپ پر تھوکا اور وہی سر کنڈا لے کر آپ کے سر پر مارنے لگے۔ اور جب آپ کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغہ کو آپ پر سے اتار کر پھر آپ ہی کے کپڑے پہنائے اور مصلوب کرنے کو لے گئے"۔

سیدنا عیسیٰ کا صلیب دیا جانا اور لعن طعن اٹھانا

(متی ۲۷: ۳۲تا۳۴؛ لوقا ۲۳: ۲۶تا۴۳؛ یوحنا ۱۹: ۱۷تا۲۴)

"شمعون نام ایک کرینی آدمی سکندر اور روفس کا والد دیہات سے آتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ انہوں نے اسے بیگار میں پکڑا کہ آپ کی صلیب اٹھائے۔ اور وہ آپ کو مقام گلگتا پر لائے جس کا ترجمہ "کھوپڑی کی جگہ" ہے۔ اور مر ملی ہوئی مے آپ کو دینے لگے مگر آپ نے نہ لی۔ انہوں نے آپ کو مصلوب کیا اور آپ کے کپڑوں پر قرعہ ڈال کر کہ کس کو کیا ملے انہیں بانٹ لیا اور پہر دن چڑھا تھا جب انہوں نے آپ کو مصلوب کیا۔ آپ کا الزام لکھ کر آپ کے اوپر لگا دیا گیا کہ **یہودیوں کا بادشا** انہوں نے آپ کے ساتھ دو ڈاکوؤں کو ایک کو دہنی اور ایک آپ کی بائیں طرف مصلوب کئے۔ (تب اس مضمون کا وہ نوشتہ کہ آپ بدکاروں میں گنے گئے پورا ہوا)۔ اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر آپ پر لعن طعن کرتے اور کہتے تھے کہ واہ! بیت اللہ کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے صلیب سے اُتر کر اپنے تئیں بچاؤ۔ اسی طرح امامِ اعظم بھی فقیہوں کے ساتھ مل کر آپس میں ٹھٹھے سے کہتے تھے آپ نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تئیں نہیں بچا سکتے۔ اسرائیل کا بادشاہ مسیح اب صلیب پر سے اتر آئیں تاکہ ہم دیکھ کر ایمان لائیں اور جو آپ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے وہ آپ پر لعن طعن کرتے تھے" (مرقس ۱۵: ۲۱تا۳۲)۔

سیدنا عیسیٰ کا مرنا

(متی ۲۷: ۴۵تا۵۶۔ لوقا ۲۳: ۴۴تا۴۹۔ یوحنا ۱۹: ۲۸تا۳۰)

"جب دوپہر ہوئی تو تمام ملک میں اندھیرا چھا گیا اور تیسرے پہر تک رہا تیسرے پہر کو سیدنا عیسیٰ بڑی آواز سے چلائے کہ الوہی الوہی لما شبقتنی؟ جس کا ترجمہ ہے۔ اے میرے خدا اے میرے خدا آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ جو پاس کھڑے تھے ان میں سے بعض نے یہ سن کر کہا دیکھو وہ الیاس کو بلاتے ہیں۔ ایک نے دوڑ کر سپنج کو سرکہ میں ڈبویا اور سر کنڈے پر رکھ کر آپ کو چسایا اور کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو الیاس انہیں اتارنے آتا ہیں یا نہیں۔ پھر سیدنا عیسیٰ نے بڑی آواز سے چلا کر دم دے دیا۔ بیت اللہ کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ صوبہ دار آپ کے سامنے کھڑا تھا اس نے آپ کو یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا بے شک یہ آدمی ابن اللہ ہے" (مرقس ۱۵: ۳۳تا۳۹)۔

"پس چونکہ تیاری کا دن تھا یہودیوں نے پیلاطُس سے درخواست کی کہ ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں اتار لی جائیں تکہ سبت کے دن صلیب پر نہ رہیں۔ کیونکہ وہ سبت ایک خاص دن تھا۔ پس سپاہیوں نے آکر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑیں جو آپ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے سیدنا عیسیٰ کے پاس آکر دیکھا کہ آپ مر چکے ہیں تو آپ کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے آپ کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا" (یوحنا ۱۹: ۳۱تا۳۴)۔

سیدنا عیسیٰ کا دفن ہونا

(متی ۲۷: ۵۷تا۶۱؛لوقا ۲۳: ۵۰تا۵۶؛یوحنا ۱۹: ۳۸تا۴۲)

''جب شام ہوگئی تو اس کے لئے تیاری کا دن تھا جو سبت سے ایک دن پہلے ہوتا ہے۔ ارمتیہ کا رہنے والا یوسف آیا جو عزت دار مشیر اور خود بھی پروردگار کی بادشاہی کا منتظر تھا اس نے جرات سے پیلاطُس کے پاس جاکر آپ کی جسمِ مبارک مانگا۔ پیلاطُس نے تعجب کیا کہ آپ ایسے جلد وفات پاگئے اور صوبہ دار کو بلا کر آپ سے پوچھا کہ آپ کو وفات پائے ہوئے دیر ہوگئی؟ جب صوبہ دار سے حال معلوم کر لیا تو جسمِ مبارک یوسف کو دلادی۔ آپ نے ایک مہین چادر مول لی اور جسمِ مبارک کو اتار کر چادر میں کفنایا اور ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھودی گئی تھی رکھا اور قبر کے منہ پر ایک پتھر لڑھکا دیا۔ بی بی مریم مگدلینی اور یوسیس کی والدہ بی بی مریم دیکھ رہی تھیں کہ آپ کہاں رکھے گئے ہیں''(مرقس ۱۵: ۴۲تا۴۷)۔

سیدنا عیسیٰ کا جی اٹھنا

(متی ۲۸: ۱تا۸۔ لوقا ۲۴: ۱تا۲۰۔ یوحنا ۲۰: ۱)

''جب سبت کا دن گذر گیا تو بی بی مریم مگدلینی اور حضرت یعقوب کی والدہ ماجدہ بی بی مریم اور بی بی سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ آکر آپ پر ملیں۔ وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں۔ اور آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائے گا؟ جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے کیونکہ وہ بہت ہی بڑا تھا۔ قبر کے اندر جاکر انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے دہنی طرف بیٹھے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں۔ اُس نے اُن سے کہا ایسی حیران نہ ہو۔ تم عیسیٰ ناصری کو جو مصلوب ہوا تھا ڈھونڈتی ہو۔ وہ جی اٹھے ہیں۔ وہ یہاں نہیں ہیں۔ دیکھو یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے عیسیٰ ناصری کو رکھا تھا۔ لیکن تم جاکر اس کے صحابہ کرام اور پطرس سے کہو کہ وہ تم سے پہلے گلیل کو جائیں گے۔ تم وہیں اسے دیکھو گے جیسا اس نے تم سے کہا وہ نکل کر قبر سے بھاگیں کیونکہ لرزش اور ہیبت ان پر غالب آگئی تھی اور انہوں نے کسی سے کچھ نہ کہا کیونکہ وہ ڈرتی تھیں''۔

سیدنا عیسیٰ کا جی اٹھ کر شاگردوں کو دکھائی دینا

''ہفتہ کے پہلے روز جب آپ سویرے جی اٹھے تو پہلے بی بی مریم مگدلینی کو جس میں سے آپ نے سات بدروحیں نکالی تھیں دکھائی دیئے۔ اس نے جاکر آپ کے ساتھیوں کو جو ماتم کرتے اور روتے تھے خبر دی۔ انہوں نے یہ سن کر کہ آپ جیتے ہیں اور اُس نے آپ کو دیکھا ہے یقین نہ کیا۔

اس کے بعد آپ دوسری صورت میں ان میں سے دو کو جب وہ دیہات کی طرف پیدل جارہے تھے دکھائی دیئے۔ انہوں نے بھی جاکر باقی لوگوں کو خبر دی مگر انہوں نے ان کا بھی یقین نہ کیا۔

پھر آپ ان گیارہ(۱۱) کو بھی جب کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیئے اور آپ نے ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ان کو ملامت کی کیونکہ جنہوں نے آپ کے جی اٹھنے کے بعد آپ کو دیکھا تھا انہوں نے ان کا یقین نہ کیا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی تبلیغ کرو۔ جو ایمان لائے اور اصطباغ لے وہ نجات پائے گا اور جو ایمان نہ لائے وہ مجرم ٹھہرایا جائے گا"(مرقس ۱۶: ۱تا۱۶)۔

سیدنا عیسیٰ کا آسمان پر جانا

"پھر آپ انہیں بیت عنّیاہ کے سامنے تک باہر لے گئے اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انہیں برکت دی۔ جب آپ انہیں برکت دے رہے تھے تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گئے اور آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور صحابہ کرام آپ کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلیم کو لوٹ گئے۔ اور ہر وقت بیت اللہ میں حاضر ہو کر پروردگار کی حمد کیا کرتے تھے"(لوقا ۲۴: ۵۰تا۵۳)۔

انجیل کے صلیبی واقعات و قرآن

یہ ہیں انجیلی "واقعات" جن کو قرآنِ پاک نے اپنے طرز پُر مغز میں ان دو جملوں میں بیان کیا ہے کہ " **یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ**"(سورہ آل عمران آیت ۵۵)۔ لیکن ہمارے کرم فرما نے چونکہ انجیل جلیل کو بچشم خود ملاحظہ نہیں فرمایا ہے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ صلیب پر چڑھانا یہ معنی رکھتا ہے کہ انسان یقیناً اور فوراً مر جاتا ہے"۔ آپ کا یہ کہنا تو صریحاً کم فہمی کا نتیجہ ہے کہ انسان "یقیناً" نہیں مرتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ "یقینا" نہیں مرتا تھا تو صلیب دینا ہی فعل عبث تھا۔ البتہ آپ کا یہ کہنا کہ "فورا" نہیں مرتا تھا" اس حد تک صحیح ہے جہاں تک "واقعات کا اقتضا (تقاضا) ہو۔ از بس کہ نقالی جناب کی طبیعت ثانی بن چکی ہے آپ وہی کچھ لکھتے ہیں جو آپ کے استادِ ازل سرسیدؔ مرحوم لکھ چکے ہیں۔ کاش آپ خود تحقیقات کی زحمت برداشت کرتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ صلیب کی صرف وہی ہیئت نہیں ہے جس کو آپ نے سرسیدؔ مرحوم کی **"تفسیر القرآن"** سے نقل کیا ہے بلکہ اس کی تین مختلف ہیئتیں تھیں جن کی رسوم یہ ہیں۔

اسی طرح شخص مصلوب کی بھی تین صورتیں ہوتی تھیں **(۱۔)** شخص مصلوب کو صلیب کی نشست پر لٹکا کر اس کے ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو علیحدہ علیحدہ ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھ کر رسیوں سے خوب مضبوط باندھ دیتے تھے۔ اس صورت میں شخص مصلوب کی موت تمازتِ آفتاب یا دیگر موسمی اثرات اور گرسنگی و تشنگی کی وجہ سے چند یوم کے بعد واقع ہوتی تھی **(۲۔)** شخص مصلوب کے دونوں ہاتھوں کو صلیب کے دونو بازوؤں پر پھیلا کر بڑے بڑے کیلوں سے جڑ دیتے تھے اور پاؤں کو رسی سے باندھ دیتے تھے۔ چونکہ اس صورت میں زخموں کی تکلیف کے علاوہ خون بھی جاری رہتا تھا شخص مصلوب کی موت نسبت اول جلد واقع ہوتی تھی۔ **(۳۔)** شخص مصلوب کے ہاتھوں کے علاوہ اس کے پاؤں بھی گاہے علیحدہ علیحدہ اور گاہے ایک ساتھ کیلوں سے جڑ دیتے تھے۔ اس صورت میں جریان خون کی شدت، زخموں کی عفونت، اور مسموم الدم (زہر دیا گیا، سانس کی دشواری) ہونے کی وجہ سے شخص مصلوب بہت جلد ہی مرتا تھا (حضرت عیسیٰ کی صلیب کی آخری صورت تھی اور پردہ دل کا شگاف اس پر اضافہ

تھا)۔(**لغات بائبل از تصنیف جان۔ڈی ڈیوس صاحب انگریزی وانڈین چرچ کا منٹری انجیل متی انگریزی**)۔خود اس واقعہ سے بھی جس کو سر سید مرحوم نے اپنی "**تفسیر القرآن**" میں نقل کیا ہے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ صلیبی زخم نہایت خطرناک ہوتے تھے اور فی الفور اُتارنے اور باقاعدہ علاج معالجہ کرنے کے باوجود مشکل سے کسی کی جان بچتی تھی۔ چنانچہ یوسی بیس سے تین رفیقوں میں سے جن کو اس نے صلیب سے اتروایا دو مر گئے اور بہ مشکل جانبر ہو سکا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کی تکالیف میں اور ان کی تکالیف میں کوئی نسبت نہ تھی۔

حضرت روح اللہ کی تکالیف

اناجیل کی ان "روایات" سے جن کو ہم نے اُوپر نقل کیا ہے اور نیز دیگر مقامات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کو (۳) شبانہ روز تک نہ سونے کے لئے وقت دیا گیا اور نہ کھانے پینے کے لئے فرصت دی گئی اور نہ سانس لینے کے لئے مہلت دی گئی۔ بلکہ اس اثناء میں چار بار نہایت بے دردی کے ساتھ آپ کو پٹوایا گیا۔ جس کا خاتمہ رومی تازیانہ پر ہوا۔ جس کی ساخت کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ

> "**وہ چمڑے کی ایک لمبی تھیلی ہوتی تھی جس کے اندر لوہے کی نوکدار کیلیں۔اور سیسے کے ناہموار ٹکڑے،اور ھڈیوں کے ریزے اور اس قسم کی دیگر اشیاء بھر دی جاتی تھیں۔انسان کو برہنہ کر کے اس سے دُرے لگواتے تھے۔انسان کے جسم پر جہاں کہیں یہ پڑتا تھا وہاں کا گوشت علیحدہ ہو کر ہڈی دکھائی دیتی تھی۔اور بعض اوقات صرف اسی کی ضرب سے موت واقع ہوتی تھی**"

(ماڈرن سٹوڈنٹس لائف آف کرائسٹ،از تصنیف والمر صاحب صفحہ ۲۵۵)

ڈین فرر صاحب اپنی مشہورِ آفاق کتاب "**لائف آف کرائسٹ**" میں لکھتے ہیں کہ

> "**اس وحشت زا تازیانہ کا نمونہ اس تہذیب کے زمانہ میں سطح زمین پر کہیں نہیں مل سکتا ہے۔بجز روسی گرہ دار تازیانہ کے۔اس کے علاوہ آپ کے سرِ مبارک پر جو پہلے بہت کچھ زخمی ہو چکا تھا کانٹوں کا تاج باندھا گیا۔ضعف وناتوانی کی یہ حالت تھی کہ اپنی صلیب تک نہیں اُٹھا سکتے تھے جس کو ایک معمولی طاقت والا شخص بہ آسانی اُٹھا سکتا تھا۔صلیب پر آپ کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں میں بڑے بڑے کیل ٹھونکے گئے۔بارہ (۱۲) یا نو (۹) گھنٹوں تک آپ صلیب پر آویزاں رہے اور بالآخر آپ کی پسلی عین دل پر بھالے سے شق کر دی گئی۔یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی موت نو (۹) یا بارہ (۱۲) گھنٹوں کے بعد واقع ہوئی**"۔

ان واقعات کے پڑھنے کے بعد بجز اُس شخص کے جو بیدرد بے رحم، ظالم، اور اقسی القلوب واقع ہوا ہو اور کوئی شخص حضرت روح اللہ کی عجالی (جلدی) موت پر تعجب نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ اس پر تعجب کرے گا کہ اس قدر آلام اور مصائب کے جھیلنے کے بعد کس طرح (۹ یا ۱۲) گھنٹوں تک صلیب پر زندہ رہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ **"آپ پر شدت تکلیف سے غشی کی سی کیفیت طاری تھی اور سب نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ آپ مر گئے"**۔ رومی سلطنت کے قوانین سے ناواقف ہونا اور یہودیوں کی سنگدلی سے بے خبر ہونے کا نتیجہ ہے۔ بھلا کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہودیوں کے سے دشمن جو مسیح کا خون پینے کے لئے ماہی بے آب (پانی کے بغیر مچھلی) کی طرح تڑپ رہے تھے۔ یہ غفلت کریں کہ مسیح زندہ اتار لئے جائیں۔ بھلا رومی سپاہی جو اس قانون سے خوب واقف تھے کہ شخص مصلوب کے زندہ اُتارنے میں کیسی سخت سزا ملے گی۔ یہ غلطی کر سکتے تھے؟ حضرت! اسی غلطی" سے بچنے کی خاطر ایک سپاہی نے بجائے ٹانگ توڑنے کے مسیح کی پسلی پر کاری زخم لگایا تاکہ حضرت عیسیٰ کی موہوم" غشی کی سی کیفیت" فی الفور موت سے تبدیل ہو جائے۔

چند جلیل القدر مسلمان بھی ہم سے متفق ہیں

بالجملہ قرآنِ پاک اور انجیلِ جلیل دونوں اس پر متفق ہیں کہ فی الحقیقت خدا نے مسیح کو پہلے موت دی اور اس کے بعد ان کو زندہ کر کے بہ جسد عنصری آسمان پر اٹھالیا۔ چنانچہ جلیل القدر اور مایہ ناز مسلمان بھی ہم سے متفق ہیں۔ چنانچہ وہبؔ کا یہ قول ہے کہ

"حضرت عیسیٰ تین گھنٹے تک مردہ رہے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے"۔

اور محمد ابن اسحاقؔ کا قول ہے کہ

"آپ سات (۷) گھنٹے تک مردہ رہے۔ پھر زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے"۔

اور ربیع ابن انسؔ کا قول ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھاتے وقت آپ کو موت دی"۔

(سرسید مرحوم کی تفسیر القرآن بحوالہ تفسیر کبیر سورہ آل عمران)

آیت وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ کی مسیحیانہ تفسیر

اب اس سوال کا جواب دینا باقی رہ گیا کہ اگر ہمارے خیالات درست ہیں تو (سورہ النساء آیت ۱۵۷) (**مَا قَتَلُوْہُ وَ مَا صَلَبُوْہُ**) کی کیا تفسیر ہو سکتی ہے جس میں مصلوبیت کی مطلق نفی کی گئی ہے اس کا جواب نہایت سہل ہے وہ یہ کہ ہم حضرت نیازؔ (اور در حقیقت سرسیدؔ مرحوم) کے اس قول کے ساتھ بالکل متفق ہیں کہ اس آیت میں اصل مقصود یا نتیجہ صلیب کی نفی کی گئی ہے نہ کہ صلیب پر چڑھانے کی۔ لیکن نتیجہ کے تعین کرنے میں ہم کو حضرت نیازؔ سے اختلاف ہے۔ حضرت نیازؔ سرسیدؔ مرحوم کی تقلید میں فرماتے ہیں کہ صلیب کا نتیجہ موت تھا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ نہیں جناب۔ اگر یہودیوں کو حضرت مسیح کو صرف مار ڈالنا ہی "مقصود" ہوتا تو آپ کو مار ڈالنے کے اور بہت سے طریقے تھے اور نہایت سہولت کے ساتھ ان طریقوں کو استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن صلیب دینے پر ان کو کیوں اس قدر اصرار تھا کہ "اس کو صلیب دے صلیب دے"۔ جس سے یہودیوں کا "اصل مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو تورات مقدس کی اس آیت کا کہ "اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل

واجب ہو اور وہ مارا جائے اور تو اسے درخت پر لٹکائے۔ تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے گاڑ دے کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے "(استثنا باب ۲۱ آیات ۲۲ تا ۲۳)۔

مصداق بنا کے آپ کی نبوی عظمت اور وقار کو صدمہ پہنچا کر آپ کا معاذ اللہ "ملعون "ثابت کریں تا کہ آپ کا مرفوع الی اللہ ہونا متعذر (دشوار) سمجھا جائے۔ پس یہودیوں کے نزدیک صلیب کا "نتیجہ "صرف قتل ہی نہیں تھا بلکہ قتل باللعنت تھا۔ اسی نتیجہ کی تردید میں اللہ فرماتا ہے کہ

"مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورہ نساء ۱۵۷۔۱۵۸)۔

ترجمہ:۔ "یعنی یہودیوں کا مسیح کے متعلق یہ کہنا کہ ہم نے اس کو لعنت کی موت مارا یہ اُن کی خام خیالی ہے کیونکہ درحقیقت اُنہوں نے اُس کو لعنت کی موت نہیں مارا بلکہ خدا نے اس کو زندہ کر کے اپنی طرف اٹھالیا"۔

صرف قرآن مجید ہی نے یہودیوں کے اس کفر آمیز قول کی تردید نہیں ہے کہ بلکہ مقدس پولُس نے بھی ان کے اس ناپاک قول کی تردید کی کہ "پس میں تمہیں جتاتا ہوں کہ جو کوئی خدا کی روح کی ہدایت سے بولتا ہے وہ نہیں کہتا کہ یسوع معلون ہے اور نہ کوئی روح القدس کے بغیر کہہ سکتا ہے کہ یسوع خداوند ہے "(۱۔ کرنتھیوں ۱۲: ۳)۔

پس آیت بالا کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "یہودیوں نے جس نتیجہ کو مدِ نظر رکھ کر مسیح کو مصلوب کیا اس نتیجہ کے اعتبار سے نہ تو انہوں نے اس کو مصلوب کیا اور نہ مقتول کیا بلکہ خدا نے اس کو بہ جسد عنصری نہایت عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھالیا"۔

علمائے اہلِ سنت والجماعت سے خطاب

مسلمان بزرگو اور قابلِ تعظیم عالمو! اگر آپ ہماری تفسیر مافوق کو جو قرآنِ مجید اور انجیلِ جلیل کے عین مطابق ہے قبول نہ کریں تو یاد رکھیں کہ قرآنِ مجید پر ایسا سنگین اعتراض وارد ہوتا ہے جو آپ کے اٹھائے نہ اُٹھ سکے گا۔ ہم اس اعتراض کو مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی ایک بات سے اُنہی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

> "قرآن کریم کے الفاظ کے ہم کو ایسے معنی نہیں کرنے چاہئیں جو بالبداہت تاریخ کو باطل کرتے ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص صرف اسی قدر الفاظ (مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ) سے یہ نتیجہ نکال کر قتل کی مانند یا صلیب کی مانند بھی کوئی فعل حضرت مسیح پر وارد نہیں ہوا۔ لیکن یہ نتیجہ لازمی نہیں۔ اور جب ہم تاریخ میں اس امر کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف یہودی مدعی ہیں کہ ہم نے مسیح کو پکڑ کر صلیب پر چڑھایا۔ اور دوسری طرف عیسائی جو حضرت مسیح کے پیرو ہیں وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ واقعی صلیب پر حضرت مسیح کو لٹکایا اور کوئی تاریخ اس وقت کی ایسی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے ۔اب اگر ایک شخص چھ سو (۶۰۰) سال کے بعد یہ کہہ دے کہ نہیں وہ صلیب پر نہیں لٹکائے گئے تھے تو اس

بات کو کون مانے گا؟ قرآن کریم کے معنی کرنے میں یہ امر ملحوظ رکھا جائے گا کہ اگر ایک لفظ کے دو طرح معنی ہو سکتے ہیں تو ہم وہی معنی اختیار کریں گے جو تاریخ کے خلاف نہیں"۔

(عیسویت کا آخری سہارا صفحہ ۱۷)

جماعت احمدیہ اور ان کے ہم خیالوں سے خطاب

میرے محترم بزرگو! یہی اعتراض بالا آپ پر بھی وارد ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے تو آپ قائل ہیں لیکن آپ کی صلیبی موت کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ "جب ہم تاریخ میں اس امر کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف یہودی مدعی ہیں کہ ہم نے مسیح کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا کر مار ڈالا اور دوسری طرف ہم عیسائی جو حضرت مسیح کے پیرو ہیں اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ واقعی صلیب پر آپ فوت ہوئے" اور کوئی تاریخ اس وقت کی ایسی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ اب اگر ایک شخص چھ سو (۶۰۰) سال بعد یہ کہہ دے کہ نہیں وہ صلیب پر نہیں فوت ہوئے تو اس بات کو کون مانے گا؟ پس حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کی صحیح تسلیم کر کے آپ کے صلیبی موت سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسا مینہ سے بچنے کی خاطر پرنالہ کے نیچے کھڑا ہو جانا۔ فتفکروا یا اولی الالباب۔

حصہ دوم

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۙ

آپ اپنے مضمون زیر تنقید کے تیسرے حصے میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

تیسرا حصہ اس بحث کا مسیح کے معجزات سے متعلق ہے۔ سب سے پہلا معجزہ تو یہ ہے کہ آپ نے گہوارہ میں گفتگو کی۔ اس کے متعلق ہم کوئی مزید بحث نہ کریں گے۔ کیونکہ گذشتہ صفحات میں ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں۔ اور گہوارہ سے بات کرنے کا مفہوم صغر سنی میں بات کرنے کا ہے اور یہ کوئی معجزہ نہیں۔ باقی اور معجزات وہ ہیں جن کا ذکر (سورہ مائدہ اور آل عمران) میں ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (سورہ آل عمران ۴۹)۔

ترجمہ:۔ ”میں لایا ہوں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔ میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے طائر کی صورت میں۔ پھر پھونکتا ہوں اس میں۔ بس وہ ہو جاتا ہے طائر اللہ سے حکم سے۔ اور اچھا کرتا ہوں اندھے کو، کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردہ کو اللہ کے حکم سے اور خبر دار کرتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو گھروں میں بچاتے ہو۔ تحقیق کہ اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو“۔

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۰)

ترجمہ:۔ ”جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم یاد کر میری نعمت کو اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر جب میں نے مدد کی تیری روح القدس کے ذریعہ سے۔ تو نے بات کی اور لوگوں سے گہوارہ میں اور بڑھاپے میں جب میں نے سکھائی تجھ کو کتاب۔ حکمت، توریت اور انجیل، اور جب بنایا تو نے مٹی سے طائر کی صورت میں میرے حکم سے اور اچھا کیا تو نے اندھے کو کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب تو نے نکالا مردے کو میرے حاکم سے اور جب میں نے باز رکھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب کہ تو ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لایا۔ لیکن وہ کافروں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے“۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۲تا۱۱۵)۔

ترجمہ:۔"جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ ابنِ مریم کیا تیرا رب ایسا کرے گا کہ وہ اتارے دستر خوان آسمان سے۔ کہا اس نے ڈرو اللہ سے اگر تم ایمان والے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس۔ اس دستر خوان سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے قلوب اور ہم جان لیں کہ بیشک تو نے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ کہا عیسیٰ ابنِ مریم نے اے میرے پروردگار اتار ہم پر دستر خوان آسمان سے تاکہ ہو جائے ہمارے لئے مسرت ہمارے اگلوں کے لئے اور پچھلوں کے لئے اور نشانی تیری طرف سے اور ہمیں روزی دے اور تو بہتر روزی دینے والا ہے۔ کہا اللہ نے میں اتارنے والا ہوں دستر خوان تمہارے اُوپر۔ لیکن اگر کوئی نافرمانی کرے گا اس کے بعد تم میں سے۔ تو اس کو میں ایسا عذاب دوں گا کہ عالم کے لوگوں میں سے کسی ایک کو ویسا عذاب نہ دیا ہو گا"۔

"سوائے معجزہ نزول مائدہ کے اور جتنے معجزات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب (آل عمران اور سورہ مائدہ) کی آیتوں میں مشترک ہیں یعنی جو معجزات (سورہ آلِ عمران) میں بیان کئے گئے ہیں اُنہیں کا ذکر (سورہ مائدہ) میں بھی ہے۔ لیکن فرق اندازِ بیان کا ضرور ہے۔ (آلِ عمران) میں خود حضرت عیسیٰ اپنی زبان سے ان کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں ایسا کرتا ہوں۔ ایسا کر سکتا ہوں۔ اور (سورہ مائدہ) میں خدا اپنی نعمتوں کے سلسلہ بیان میں حضرت عیسیٰ پر ظاہر کرتا ہے کہ یاد کرو اس وقت کو جب تم ہمارے حکم سے ایسا اور ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ باتیں دونوں جگہ ایک ہی ہیں اس لئے علیحدہ علیحدہ بحث کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ ان آیتوں سے جن معجزات کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

(۱۔) مٹی کی چڑیا بنا کر حضرت عیسیٰ اس کے اندر پھونک مارنا اور اس کا اڑ جانا۔

(۲۔) اندھے کوڑھیوں کو اچھا کرنا۔

(۳۔) مردہ کو زندہ کرنا۔

(۴۔) غیب کی خبر دینا اس قبیل سے کہ لوگ کیا کھاتے ہیں اور گھروں میں کیا رکھتے ہیں۔

(۵۔) عیسیٰ کی دعا پر آسمان سے دستر خوان کھانے کا نازل ہونا۔

معجزہ اول کے متعلق بعض مفسرین کا بیان ہے کہ واقعی وہ مٹی کی چڑیا بناتے تھے اور ان میں جان ڈال دیتے تھے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ جن میں سرسید مرحوم بھی شامل ہیں کہ یہ واقعی حضرت عیسیٰ کی عہدِ طفلی کا ہے اور بچپن میں لڑکے اس قسم کی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ دونوں باتیں سمجھ سے باہر ہیں۔ وہ اس لئے کہ کسی جاندار شے کو پیدا کرنا یا کسی چیز میں جان ڈالنا صرف اللہ کا کام ہے اور یہ اس لئے

کہ اگر مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں جان ڈال دینے کا واقعہ صرف ان کے عہدِ طفلی کے متعلق ہوتا تو خدا اپنی نعمتوں کے سلسلہ بیان میں اس کا ذکر کرتا جیسا کہ (سورہ مائدہ) کی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

انجیل کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قصص وحکایات اور امثال و تشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے لٹریچر کی یہی شان تھی اس لئے غور کرنا چاہیے کہ لفظ خلق سے یہاں کیا مراد ہے اور نفخ کے بعد طائر کی طرح اڑنا کی کیا معنی رکھتا ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ لفظ خلق پیدا کرنے کے معنی میں تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ متعدد آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق (پیدا کرنا) صرف خدا کا کلام ہے اور یہ صفت صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے اس جگہ لفظ خلق کے معنی صرف اندازہ کرنے یا عزم کرنے کے ہیں (اس لفظ کے یہ معنی بھی عربی زبان میں آتے ہیں) طین (مٹی سے) انسان کی ضعیف پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ نفخ سے مقصود احکام الہیٰہ کی تعلیم ہے۔ اور طیر سے وہ انسان مراد ہیں جو عام سطح انسانی سے بلند ہو جائیں۔

کلامِ مجید میں انسانوں کو دابۃ اور طائر سے تشبیہ دی گئی ہے اور (ملاحظہ سورہ انعام آیت ۳۸) (وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ الخ) اسی طرح ناسمجھ لوگوں کو جانوروں (سورہ انعام) سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ تم لوگوں کو جو مٹی سے بنے ہو یعنی اپنی پیدائش کے لحاظ سے بہت حقیر ہو میں طائر کی سی ہئیت دینے کا عزم کرتا ہوں اور پھر تعلیم الٰہی دے کر واقعی بلند پرواز اور بلند خیال انسان بناتا ہوں۔

اندھے، کوڑھی اور مردہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی روحیں بیمار اور مردہ ہیں۔ انجیل میں اکثر جگہ بیمار بول کر گنہگار مراد لیا گیا ہے اور وہ خود کلام مجید میں بھی (اندھوں اور مردوں) سے گنہگار اور کافر مراد ہیں۔ مثلاً (وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ) (سورہ فاطر آیات ۲۲)۔ اس لئے اندھے کوڑھیوں کو اچھا کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ میں گنہگاروں سے ان کے گناہ چھڑاتا ہوں اور جو روحیں معصیت سے مردہ ہیں ان کو اخلاق کی تعلیم دے کر زندہ کرتا ہوں۔

مسیح کی خاص تعلیم یہ تھی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے اللہ کی راہ میں صرف کر دو اور کل کے لئے کچھ نہ رکھو۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں لوگ کثرت سے سود خوار تھے اور گھروں میں دولت جمع رکھتے تھے۔ خواہ قوم پر کوئی آفت آجائے۔ اسی امر کی طرف اشارہ ہے ان الفاظ سے (وَ أُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ) ترجمہ:۔ ''یعنی میں تم کو بتاتا ہوں یا تنبیہ کرتا ہوں کہ تم کتنا اور کیا کھاتے ہو اور کیا جمع کرتے ہو''۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آیت سے **اخبار عن الغیب** کیونکر سمجھ لیا گیا۔

اب رہا مایدہ کا آسمان سے نازل ہونا۔ سو کلام مجید سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مایدہ نازل کیا گیا ہے۔ البتہ عیسیٰ سے حواریوں نے اس کی خواہش کی تھی۔ اور آپ نے دعا بھی کی تھی لیکن اس کے بعد اس کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ مایدہ اتارا گیا۔ علاوہ اس کے مایدہ سے یہاں مراد واقعی کھانے کا دستر خوان نہیں ہے۔ بلکہ مقصود صرف روزی ہے اور عیسیٰ کی یہ دعا اسی قبیل سے تھی جیسی کہ انجیل میں پائی جاتی ہے کہ "اے خدا آج کے دن کی ہماری خوراک دے"۔

مایدہ کی ان آیتوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں نے وسعتِ رزق طلب کی تھی اور اسی کی دعا حضرت عیسیٰ نے کی تھی۔ سو اس کے مقبول ہونے کا ثبوت آج کل عیسائیوں کی دنیاوی ترقی سے مل سکتا ہے"۔

بحثِ مافوق کا ملخص

بحثِ مافوق کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس کا ملخص پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا جو قرار ذیل ہے۔

(۱۔) حضرتِ عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قصص وحکایات اور امثال و تشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے ۔لہذا"۔

(۲۔)لفظ خلق سے مراد اندازہ کرنے یا عزم کرنے کے ہیں۔ طین سے انسان کی ضیف پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ نفخ سے مقصود احکام الہیٰ کی تعلیم ہے۔ اور طیر سے وہ انسان مراد ہیں جو عام سطح انسانی سے بلند ہو جائیں۔

(۳۔)(وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ) سے اخبار عن الغیب مراد نہیں۔

(۴۔)مایدہ سے مراد طلبِ رزق ہے جس کے مقبول ہونے کا ثبوت آج کل عیسائیوں کی دنیاوی ترقی سے مل سکتا ہے۔

(۵۔)اندھے کوڑھی اور مردہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی روحیں بیمار اور مردہ ہیں۔

(۶۔)ہمیں پھر وہی کہنا پڑا جو اس سے قبل چند بار دُہرا چکے ہیں۔ یعنی آپ کے مضمون کا یہ حصہ بھی جناب کی تراوش قلم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ابتدا سے لے کر انتہا تک جب مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے **"نکات القرآن"** سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ

"علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ حضرت مسیح کے کلام میں مجاز واستعارہ کا استعمال بہت پایا جاتا ہے اور آپ کے کلام کا ایک بڑا حصہ تمثیلات میں ہے"۔

(نکات القرآن حصہ سوم صفحہ ۲۳۷)

البتہ اس عبارت میں آپ نے یہ جدتِ طرازی کی ہے کہ جہاں مولوی صاحب مذکورہ الصدری نے ایک " بڑا حصہ " لکھا ہے وہاں آپ نے یہ لکھا ہے کہ **"حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ سب قصص وحکایات اور امثال و تشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے"**۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے انجیلِ جلیل دیکھی نہیں ہے۔ آپ کی شان میں سرسید مرحوم کی یہ تمثیل کیا ہی صادق آتی ہے کہ

"ان کی (حضرت نیاز (جیسے لوگوں) مثال اندھے آدمی کی سی ہے کہ وہ اس رستہ پر جو اس کو کسی نے بتلا دیا ہے چلا جاتا ہے اور اس کے ٹھیک ہونے پر یقین رکھتا ہے اور خود نہیں جانتا ہے کہ در حقیقت یہ رستہ اسی جگہ جاتا ہے جہاں اس کو جانا ہے یا نہیں۔ پھر اگر کسی نے کہہ دیا کہ میاں اندھے آگے گڑھا ہے یا دیوار ہے تو وہ بغیر کسی شک کئے اس پر یقین کر لیتا ہے اور ٹھہر جاتا ہے۔ پھر جس نے راہ بتائی اس طرف ہو لیا"۔

(تفسیر القرآن آل عمران صفحہ ۴۶)

چاروں انجیلیں زیادہ سے زیادہ چار پیسوں کے معاوضہ میں آپ کو مل سکتی تھیں اگر احمدیت کی اس کورانہ تقلید کو چھوڑ کر آپ خود ان کا مطالعہ کرتے تو آپ کو اس قدر فضیحت اور رسوائی سے سابقہ نہ پڑتا، لیکن جس نے کہا ہے بجا کہا ہے کہ "اندھوں کی اگر آنکھیں ہوتیں تو ان کو شرم بھی معلوم ہوتی ہے"۔

لیجئے جناب! اب میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ "جہاں جہاں" حضرت عیسیٰ نے جو کچھ بھی قصص وحکایات اور امثال وتشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے "ان سب کی تعداد (۲۶) سے زیادہ نہیں ہے جس کو ہم آپ کی خوشنودی کی خاطر (۳۰) بلکہ (۴۰) فرض کر لیتے ہیں۔ اب اگر آپ ان تیس یا چالیس "امثال وتشبیہات" کو اناجیل کی باقی تعلیمات سے مقابلہ کریں تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ ان میں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو نمک کو آٹے کے ساتھ ہے۔ پس جس طرح آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ "حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قصص وحکایات اور امثال وتشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے"۔ اسی طرح آپ کے امامِ الہام کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ "آپ کے (حضرت عیسیٰ) کے کلام کا ایک بڑا حصہ تمثیلات میں ہے"۔

اب میں اس پر ایک اور نقطۂ نظر سے بحث کروں گا اور یہ کہ میں تقدّ مآب اور ان کے شاگرد رشید حضرت نیازؔ سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ مجھے یہ بتلائیں کہ اگر میں یہ فرض کروں کہ "حضرت عیسیٰ کے کلام کا ایک بڑا حصہ تمثیلات میں ہے"۔ اور آپ کے کلام میں مجاز او ستعار کا استعمال بہت پایا جاتا ہے" تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے" وہ سب قصص وحکایات اور امثال وتشبیہات کی صورت" میں بیان کیا ہے۔ اگر آپ اس سوال کا جواب اثبات (ہاں) کی صورت میں دیں تو پھر وہ قرآن کی نسبت آپ کیا کہیں گے؟ کیونکہ قرآن مجید میں جس قدر قصص وحکایات اور امثال تشبیہات ومجاز واستعارہ بھرے پڑے ہیں جن کا عشر عشیر (کم حصہ) بھی اناجیل میں موجود نہیں ہے۔ اور اگر آپ اس کا جواب نفی میں دیں تو گویا کہ خود آپ بھی اپنی اس تعبیر کے غلط ہونے پر مہر کر دی کہ حضرت عیسیٰ کا معجزہ "خلق الطیر" استعارہ کے رنگ کا کلام ہے۔

اگرچہ اصولی اور اجمالی طور پر آپ کے مضمون کے اس تیسرے حصہ کا مکمل جواب ہو چکا مزید بحث کی مطلق ضرورت نہیں رہی لیکن صرف اس لئے کہ آپ کے دل میں کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے ہم آپ کی باقی شقوں پر بھی بحث کریں گے۔

(ب۔) اس شق میں آپ نے تقدس مآب مولوی محمد علی صاحب کے خیالات کا جو خاکہ اتارا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف عربیت سے بے بہرہ ہیں بلکہ قرآن پاک کی عزت وعظمت سے بھی محروم ہیں۔ آپ کی دیانت اور امانت کی یہ کیفیت ہے کہ بغیر اس کے کہ آپ قرآن پاک کا منشا دریافت کریں۔ سیاق وسباق کا خیال رکھیں۔ علم اصولِ تفاسیر، اور عربی علم اللسان کی طرف رجوع کریں۔ یا کسی ماہر زبان دان سے مشورہ لیں جو کچھ تقدس مآب کے قلم سے نکلتا ہے اس پر آپ کا ایسا ایمان مستحکم ہو جاتا ہے کہ پھر وہ کسی صورت سے متزلزل نہیں ہو سکتا ہے خواہ اس سے قرآن پاک کی کتنی بے عزتی ہی کیوں نہ ہو۔ درحقیقت آپ کے مقتدی جناب تقدس مآب نے قرآنِ مجید کے ساتھ وہی کیا ہے جو دیانند جی نے ویدوں کے ساتھ کیا تھا۔ کاش خدا آپ کو قرآن فہمی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قبلہ! کسی لفظ کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے "یہ مراد،" وہ مراد" ہے نہایت آسان ہے جس طرح میرے لئے یہ کہنا نہایت سہل ہے کہ " نیاز[7]" سے مراد "پیاز" ہے۔ لیکن اس کو ثابت کرنا بے حد مشکل ہے اور اس سے بھی زیادہ تر مشکل اس کا ثابت کرنا ہے کہ "طین" سے انسان کی ضعیف پیدائش کی طرف اشارہ ہے"۔ اور نفخ سے مقصود احکام الٰہیہ کی تعلیم ہے۔ اور " طیر" سے وہ انسان مراد ہے "جو عام سطح انسانی سے بلند ہو جائیں" اگر آیت زیرِ بحث میں یہی تین الفاظ ہوتے تو آپ کی تاویل کی گنجائش کا امکان ہوتا لیکن اس میں ایسے جملے ہیں جو آپ کی کشتی مراد کو نا مرادی کے ساحل پر پاش پاش کر دینے کے لئے کافی ہیں وہ یہ ہیں۔(۱)اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ (۲)کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ (۳)بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

جملہ اول میں لفظ آیت موجود ہے جس کو تمام بڑے بڑے مفسرین نے بالاتفاق بمعنائے معجزہ تسلیم کیا ہے۔ اور در حقیقت یہاں پر اس کے معنی بجز معجزہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتے ہیں۔

اگر جناب کا یہ فرمانا صحیح ہوتا کہ "طیر" سے مراد "انسان کی بلند پروازی" ہے تو **جملہ دویم** کا ہونا حشو بلکہ مہمل ٹھہرتا ہے اور صحیح طور پر خدا کو حضرت عیسیٰ کی زبانی یوں بیان کرنا چاہیے تھا کہ "اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ لا نْفُخُ فِیْکم فَتکُوْنُ طَیْرًا"۔

جملہ سوئم اس معجزہ کی اہمیت اور عظمت پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ اگر اس میں یہ الفاظ (بِاِذْنِ اللّٰہِ) نہ ہوتے تو خدا کی صفتِ خالقیت میں مسیح کا شریک ہونا لازم آتا اس لئے خدا نے اس کو اپنی طرف نسبت دے کر اس مشرکانہ خیال کی تردید فرمائی۔ اور اگر یہ کوئی معمولی بات ہوتی تو جملہ (بِاِذْنِ اللّٰہِ) لانا بالکل عبث تھا۔

آیت مافوق کی تفسیر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے

مجھ کو یقین ہے اُمتِ قادیانی کے دونوں فریق اس پر متفق ہیں کہ قرآنِ مجید کی تفسیر کرنے اور اس کے نکات اور معارف کے بیان کرنے میں جو فضیلت[8] اور مرتبہ خدا کی طرف سے مرزا صاحب غفر اللہ ذنوبہ کو ملا تھا کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو سکا۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آیت مافوق کے متعلق مرزا صاحب غفر اللہ ذنوبہ کی طرف رجوع کریں کہ وہ اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں اور پیر و مرید کا قضیہ قارئین کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں۔

تشحیذ الاذہان کے ایڈیٹر صاحب ایک مسلمان مولوی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

الجواب: حوالہ میں سخت بددیانتی سے کام لیا گیا ہے اصل بات یوں ہے کہ حضرت اقدس نے خلق طیر کے مسئلہ کو اس رنگ میں تو نہیں مانا جس سے شرکِ لازم آئے یعنی یوں نہیں ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

---

[7] نیاز اور پیاز میں صنعت تبادلہ الراسین ہے۔ یعنی اگر نیاز کے نون کو پیاز کے پے کی جگہ رکھ دیں تو پیاز نیاز ہو گا اور اگر پیاز کی پے کو نیاز کے نون کی جگہ رکھ دیں تو نیاز پیاز ہو جائے گا۔ (سلطان)

[8] مرزا صاحب کے یہ الہامات ملاحظہ غلب ہیں "اور میں نے تجھ کو تیرے وقت کے تمام عالموں پر فضیلت دی" قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں (سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد اول صفحہ ۴۸۲)(سلطان)

ایسے چمگادڑ بنائے ہوں جن میں گوشت پوست سلسلہ توالد وتناسل ہو۔ کیونکہ اس امر کو یہ روایات روکتی ہیں۔

(۱۔)قُلْ ہَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ

(ترجمہ):۔"ہے کوئی تمہارے معبودوں میں سے جو خلق کرے؟(سورہ یونس آیت ۳۴)

(۲۔)اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ

ترجمہ:۔"کیا یہ ایسے شرکا کے قائل ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح خلق کیا ہو اور پھر دونوں کی مخلوق مشتبہ ہو گئی ہو۔ کہدے اللہ ہر چیز کا خالق ہے"(سورہ الرعد آیت ۱۶)

(۳۔)اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ ط

ترجمہ:۔"جن کو یہ پکارتے ہیں تو وہ سب کے سب مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے"۔

ہاں معجزہ کی حد تک ان الفاظ میں مان لیا ہے۔

"ان پرندوں میں واقعی اور حقیقی حیات نہیں پیدا ہوتی تھی۔ بلکہ صرف عقلی اور مجازی اور جھوٹی حیات جو عمل الترب کے ذریعہ سے پیدا ہو سکتی ہے"(صفحہ ۲۱۸)۔

اور اسے بھی معجزہ ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ معجزہ کی تعریف میں لکھا ہے:

واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر ۔۔۔۔۔ دوسرے عقلی معجزات جو اس خارق عادت (عادت اور قدرتی قاعدے کو توڑنے والا، انبیاء کے معجزے اولیا کی کرامات) عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو الہام الٰہی سے ملتی ہے۔۔۔۔۔۔۔اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزے کی طرح صرف عقلی تھا یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دونوں میں جیسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے (۳۰۲)۔ یہ ہے اصل "حوالہ "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حذف کر دیا پھر اوپر کی عبارت نہ لکھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس جسے عقلی فرما رہے ہیں۔ اس کی نسبت یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ یہ عقل خارق عادت طور پر بذریعہ الہام الٰہی ملتی ہے۔ اور معجزہ خارق عادت اور الہام ہی کا نام ہے۔ پس جب حضرت اقدس خلق طیر کو معجزہ تسلیم کر رہے ہیں تو پھر اعتراض کیسا؟" (نمبر جلد ۱۰ صفحہ ۲۵)۔

لفظ اخلق پر بحث

چونکہ میں نے اس کتاب میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ حتی الامکان صرف قرآن مجید ہی کے نقطہ سے بحث جاری رہے لہٰذا میں اپنے ذاتی خیال اور مسیحیانہ عقیدہ کو محفوظ رکھ کر اپنے کرم فرما کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خواہ آپ لفظ ''خلق'' کے معنی "اندازہ کرنے" کے لیں یا عزم کرنے یا کچھ اور ہر صورت میں مجھ کو آپ سے اتفاق ہے کیونکہ (اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ) میں کوئی معجزانہ رنگ نہیں ہے۔ یہ تو صرف تمہید اور توجیہ ہے (فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا) کی پس لفظ (نْفُخُ) میں اعجاز ہے نہ ''اخلق'' میں۔ آپ اس پر جس قدر چاہیں طبع آزمائی فرمائیں۔

(ج۔) آپ کی اور شقوں کی طرح یہ شق بھی سراسر غلط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں کہ جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ رکھتے ہو"۔ اور آپ کے تقدس مآب کا یہ کہنا بھی بالکل لغو ہے کہ

"گویا حلال و حرام کے متعلق بھی کچھ احکام دیتے تھے"۔

(نکات القرآن حصہ سوم آل عمران صفحہ ۲۴۵)

کیونکہ اسی آیت کی تحت میں ایک دوسری آیت (سورہ آل عمران ۵۰) (وَ لِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ) ہے جس میں حلال و حرام کا حکم ہے۔ پس آیت مافوق میں بجز "اخبار عن الغیب" کے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

(د۔) ہمیں بے حد افسوس تو اس بات کا ہے کہ آپ نے عربی کو بھی اردو پر قیاس فرمایا ہے کہ بلا روک ٹوک جس لفظ کو جہاں چاہا وہاں رکھ دیا خواہ اس لفظ کو اس جگہ سے مناسبت ہو یا نہ ہو۔ لیکن عربی کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ عربی میں کثرت کے ساتھ ایسے الفاظ ہیں جو خاص خاص مواقع کے لئے خصوصی معنوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ **''فقہ اللغت''** میں جو اس فن میں ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب ہے اس قسم کے الفاظ کے لئے ایک علیحدہ باب مخصوص ہے۔ اور اسی باب میں علامہ ابن فارس لکھتے ہیں کہ

"(و من ذالک المائدہ) لایقال لھا مائدہ حتی یکون علیھا طعام لان المائدہ من مادنی یمیدنی انا اعطاک والا سمھا خوان" **ترجمہ:۔ ''یعنی مائدہ اس وقت تک مائدہ نہیں کہا جا سکتا ہے جب تک اس پر بعام نہ ہو کیونکہ مائدہ مادنی یمیدنی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی عطا کرنے کے ہیں۔ اور جس پر بعام نہ ہو اس کو خوان کہتے ہیں"۔**

امام ثقالبی فرماتے ہیں کہ

"ولا یقال مائدۃ الااذاکان علیھا الطعام والا فھی خوان" **ترجمہ:۔ ''یعنی مائدہ کو مائدہ نہیں کہتے ہیں جب تک اس پر بعام نہ ہو اور اگر اس پر بعام نہیں ہے تو اس کے خوان کہتے ہیں"۔**

(المزھر از امام سیوطی رحمتہ اللہ مطبوعہ مصر حصہ اول صفحہ ۲۲۵)

اسی طرح امام راغب رحمتہ اللہ نے اپنے مفردات میں لکھتے ہیں کہ

"والمائدہ قطبق الذی علیہ الطعام "یعنی مائدہ اس طبق کو کہتے ہیں جس پر بعام ہو"۔

پس آپ کا یہ فرمانا کہ "مائدہ سے یہاں مراد واقعی کھانے کا دستر خوان نہیں ہے"۔ کس قدر وحشت انگیز غلطی ہے۔ قبلہ! اسی لئے میں بار بار عرض کر رہا ہوں کہ آپ عربی کا علم حاصل کریں۔

(ھ۔) شروع میں میرا ارادہ تھا کہ میں اس شق پر علم بیان کی رو سے بحث کروں کیونکہ اس کا تعلق زیادہ تر علم بیان کے ساتھ ہے۔ لیکن آپ کے مضمون کو غور کے ساتھ دیکھ کر میں اپنے ارادہ کے بدلنے پر مجبور ہوا کیونکہ آپ کے مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس علم سے بالکل عاری ہیں، اس لئے میں ایک عام فہم پیرایہ میں اس پر نظر ڈالوں گا۔ یعنی اگر ایک لفظ جو کئی معنوں میں مستعمل ہے قرآن شریف میں کثرت کے ساتھ ایک ہی معنی میں مستعمل ہو جائے تو اس سے ہر گز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دیگر مقامات میں بھی اس کے وہی معنی ہوں گے۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ ایسی نظیریں (مثالیں) موجود ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک ہی معنی میں کثرت کے ساتھ مستعمل ہونے کے باوجود دوسرے مقام میں اور معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱۔) قرآن مجید میں لفظ "**اصحاب النار**" کا اطلاق ہمیشہ کافروں اور اس قسم کے دوسرے لوگوں پر ہوا ہے لیکن (سورہ مدثر) میں اس کا اطلاق فرشتوں پر ہوا ہے۔

(۲۔) لفظ "بعل" کا اطلاق (سورہ بقرہ و نساء) میں شوہر پر ہوا ہے۔ اور (سورہ صافات) میں بُت پر۔

(۳۔) لفظ "**عود**" اور "عادہ" کا اطلاق تمام قرآن مجید میں تکرار فعل پر ہوا ہے اس آیت میں کہ (**والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعدون لماقالو**) (مجادلہ) تو یہاں پیشمانی پر ہوا ہے۔

(۴۔) لفظ "ریب" کا اطلاق قرآن مجید میں شک پر ہوا ہے مگر آیت "ریب المنون (الطور) میں حوادث زمانہ پر ہوا ہے۔

(۴۔) لفظ "بروج" کا اطلاق ہر جگہ کواکب پر ہوا ہے مگر "**فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ**" (سورہ النساء آیت ۷۸) میں اونچے مضبوط محل پر ہوا ہے۔ (مزید ایضاح کے لئے **تفسیر اتقان** ملاحظہ ہو)۔

پس اگر لفظ "اندھے" کا اور "کوڑھی" کا اور "مردہ" کا اطلاق صرف ایک ہی معنی یعنی "روحانی بیماری اور روحانی موت" پر بھی ہوا۔ اور کثرت کے ساتھ بھی ہوا ہو تو بھی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ کل قرآن میں از ابتداء تا انتہا ان کے یہی معنی ہیں۔ مثلاً ایک آیت یہ ہے کہ " **اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ** ﴿۳۱﴾" (سورہ زمر آیت ۳۰) "اے محمد ﷺ تو بھی مردہ ہے اور یہ کافر بھی مردے ہیں"۔ آپ کے نظریہ کے لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ "اے محمد (معاذ اللہ) تو بھی رُوحانی طور پر مردہ ہے اور یہ کافر بھی روحانی طور پر مردے ہیں"۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

"اب میں اس بحث کو قرآنِ مجید کی ایک دوسری آیت پر ختم کرتا ہوں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "اندھے" کو بینا کرنا۔ "کوڑھی" کو شفا دینا اور "مردہ" کو زندہ کرنا حقیقی معنوں میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کے معجزے تھے نہ کچھ اور وہ آیت یہ ہے۔

وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَۚ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ وَۚ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۰)۔

میں اپنے فاضل مخاطب سے پوچھتا ہوں کہ اگر وہ باتیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے معجزہ نہ تھیں تو کافروں کا یہ کہنا کہ "یہ صریح جادو ہے" کیا معنی رکھتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین نے امورِ مافوق کو بالاتفاق معجزہ مان لیا ہے۔

اگر ان واقعات کا تاریخی ثبوت موجود نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ آپ کی تاویل کو درست تسلیم کر لیا جاتا لیکن جب اناجیل میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے تو اس تاریخی ثبوت کی موجودگی میں ان باتوں کو استعارہ کے رنگ میں ماننا صریح غلطی ہے۔ والسلام۔

سُلطان